جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۰	کراچی: ہفتہ۔ ۲۳۔ جولائی ۱۹۵۵ء	قیمت چار آنہ سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

سابقہ قسط میں بتایا جاچکا ہے کہ قرآن نے تمام مسلمانوں کو "امت واحدہ" (ایک قوم۔ ایک ملت۔ ایک امت) قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امت ایمان کی بنیادوں پر متشکل ہوتی ہے جسے دور حاضرہ کی اصطلاح میں آئیڈیالوجی کہتے ہیں۔ جب کسی قوم کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہو تو اس میں رنگ۔ نسل۔ زبان۔ وطن وغیرہ کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ دنیا کے کسی کونے کا انسان جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرتا ہو۔ اس قوم کا فرد بن جاتا ہے اور خود اپنے گھر کا آدمی جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرے۔ اس برادری سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبش کا بلال۔ روم کا صہیب اور ایران کا سلمان (رض) تو اس کی امت کے افراد تھے لیکن خود مکہ کا ابوجہل اس برادری سے خارج تھا۔ اسی بنیادی وحدت کے پیش نظر۔ قرآن نے اس برادری کے افراد کو یا ایھا الذین آمنوا کہکر پکارا ہے۔ یعنی وہ تمام افراد جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس آئیڈیالوجی کی تفصیل تو طول طویل ہے لیکن مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد رسالت محمدیہ پر ایمان ہے۔ ہم محمد رسول اللہ (ص) پر ایمان لانے سے اس امت کے فرد بنتے ہیں۔ اور خدا کا جو پیغام حضور نے نوع انسانی تک پہنچایا ہے۔ اس کے ساتھ متمسک رہنے سے یہ امت باقی رہتی ہے۔

شمع فلمی بک اسٹال
روبرو سنیما بندر روڈ کراچی

طلوع اسلام کا
مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے .... کہ

1. [illegible]
2. [illegible]
3. [illegible]
4. [illegible]
5. [illegible]
6. [illegible]
7. [illegible]
8. [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے .... کہ

[illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ شعاع امید	★ قرآن و سنت	★ چوٹی کی کانفرنس	★ خان عبدالغفار خان	★ سکہ دورجہ
★ تاریخی شواہد	★ اسلام کی سرگزشت	★ معتزلہ	★ باب المراسلات	★ نقد و نظر
★ عالم اسلامی	★ بین الاقوامی جائزہ	★ بزم طلوع اسلام	★ رشید وزارت	★ نہرو کی وضاحت

آپ مطالبہ تو کرتے ہیں

که پاکستان کا دستور اسلامی ہونا چاہیئے۔ اور اب جبکه نئی مجلس دستور ساز منتخب ہوکر آئین سازی کا کام شروع کرنے والی ہے۔ عام طور پر کہا جانے لگا ہے که پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ لیکن

اسلامی دستور ہے کیا؟
اور وہ کہاں مل سکتا ہے؟

طلوع اسلام نے اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کی روشنی میں

قرانی دستور پاکستان

کا مسودہ پیش کیا ہے۔

اس ۲۲۴ صفحات کی کتاب میں یه بھی بتایا گیا ہے که حکومت اور مولوی صاحبان کے پیش کردہ مسودے کیوں غیر قرآنی ہیں۔ اسطرح یه کتاب آئین کے متعلق مباحث کا ایک جامع اور بیش بہا مجموعه بن گئی ہے۔ اس کا مطالعه آئین اور اسلام دونوں کے طالب علموں کیلئے ناگزیر ہے۔

صفحات ۲۲۴   قیمت دو روپے آٹھ آنے

قیمت -/۱/۸ روپیه

قیمت -/-/۲ روپے

ناظم اداره طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ - کراچی - ۲

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸	کراچی ۲۳ر جولائی سنہ ۱۹۵۵ء	نمبر ۲۵

شعاعِ امید

جو تشکیل مجلس دستور ساز کے پہلے ہی اجلاس میں جس تشتتِ فکر ونظر کا مظاہرہ ہوا وہ ہر قلبِ بیدار کو اضطراب آگیں بنا رہا تھا۔ اور رہ رہ کر یہ سوال زبان پر آرہا تھا کہ

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

لیکن وہ جو اقبال ہی نے کہا ہے کہ ستاروں کی تنک تابی دلیلِ صبح روشن بن جاتی ہے۔ اس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد ایک ایسی خبر موصول ہوئی ہے کہ اگر وہ حقیقت پر مبنی ہے (اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو) تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ یہی ایک چیز اراکینِ مجلس کی ان کوتاہیوں کا اور تنگ نظریوں کا کفارہ بن سکتی ہے جو ان سے مجلس کے مختصر سے اجلاس کے دوران سرزد ہوئیں۔ اطلاع یہ ہے کہ مسلم لیگ، عوامی لیگ، اور متحدہ محاذ کی تینوں جماعتوں کے سربرآوردہ حضرات نے اس امر پر تحریری اتفاق کرلیا ہے کہ

(۱) مغربی اور مشرقی پاکستان کے صوبوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دے کر مرکز میں صرف تین امور دفاع، امورِ خارجہ اور مالیات رکھے جائیں۔ اور

(۲) مغربی پاکستان کی ایک وحدت بنادی جائے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ہم سے متفق ہوں گے کہ اگر یہ اطلاع صداقت پر مبنی ہے۔ تو یہ بہت بڑا مرحلہ ہے جو طے ہوگیا۔

مسلمانوں کا باہمی اتحاد بلکہ ائتلاف کے متعلق طلوعِ اسلام کا جو مسلک ہے۔ وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں۔ قرآن نوعِ انسانی کو ایک عالمگیر برادری قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کی عملی تشکیل کے لئے وہ ایک ایسی بین الاقوامی امت کا وجود ناگزیر سمجھتا ہے جو نوعِ انسانی کے اس اتحاد پر ایمان رکھتی ہو اور اس کی بنیاد اسی ضابطۂ حیات پر قرار دیتی ہو۔ جو خدا کی طرف سے قرآن کی شکل میں انسانوں کو ملا۔ اس امت کا نام امتِ مسلمہ ہے۔ قرآن نے اسے امتِ واحدہ قرار دیا ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی افتراق اور انتشار، کوئی اختلاف اور امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی وحدتِ ملت کے بنیادی تصور کی رو سے طلوعِ اسلام نے شروع ہی میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ تمام پاکستان کا اندازِ حکومت وحدانی (UNITARY) ہونا چاہیئے۔ اس وقت ہمارا خیال تھا کہ ان دعاوی کی رو سے جن کی بنیادوں پر ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مسلمان اسلامک آئیڈیالوجی (ISLAMIC IDEOLOGY) کی بنا پر در حقیقت ایک قوم بن چکے ہیں۔ لیکن بعد کے واقعات نے ایسے تلخ حقائق کا انکشاف کیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان علاقوں کے باشندوں کو ایک ملت کے افراد بنانے کے لئے جن عملی تدابیر کی ضرورت تھی وہ بروئے کار نہیں لائی گئی تھی۔ اس لئے ان میں بُعد بھی تھا اور بدقسمتی سے بداعتمادی بھی۔ چونکہ طلوعِ اسلام سطحی جذبات کی رو میں نہیں بہتا بلکہ ٹھوس حقائق کا سامنا کرتا ہے۔ اس لئے اس نے اس معاملہ میں بھی حقیقت کا اعتراف کیا۔ اور اس کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں علاقوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔ اور مرکز میں صرف انہی دو چار امور کو رکھا جائے۔ جہاں دونوں کے اشتراک مقصد کے لئے ناگزیر ہوں۔ طلوعِ اسلام ایک عرصے سے اپنی اس تجویز پر زور دیتا چلا آرہا تھا۔ اگر مذکورہ صدر اطلاع صحیح ہے۔ تو اس سے آئین سازی کا بنیادی مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔

جہاں تک مغربی پاکستان کی وحدت کا تعلق ہے، قارئین کو یاد ہوگا کہ یہاں کے مختلف صوبوں کو ملانے کی آواز سب سے پہلے طلوعِ اسلام ہی کی طرف سے بلند ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انگریز کے زمانے کے نظم ونسق کی مصلحتیں اس علاقے میں صوبائی حد بندیاں نہ کرتیں تو یہ پورے کا پورا علاقہ ایک ملک، اور یہاں کے بسنے والے ایک ہی قوم متصور ہوتے، کسی کو یہ خیال آج تک بھی نہ گزرتا کہ یہ الگ الگ ٹکڑے ہیں۔ اور ان میں بسنے والے الگ الگ گروہ۔ وحدتِ مغرب کی تجویز ایسی خوش آئند اور مسعود ومبارک تھی کہ اس سے کسی کو بھی اختلاف نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ہمارے ہاں ایسی ذہنیتوں کے حامل موجود ہیں جو اپنے "تنگ نظرانہ مفاد کو مملکت کی ہمہ گیر اور کلی مصلحتوں پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے اس قسم کی اختلافی آوازوں کا بلند ہونا ناگزیر تھا۔ یہ آوازیں قریب قریب ختم ہوچکی تھیں لیکن صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید کی ڈرامائی قلابازی اور خان عبدالغفار خاں کی دیرینہ پاکستان دشمنی اور ہندو نوازی نے اس چنگاری کو بھڑکانے کی کوشش شروع کردی ہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ اگر مذکورہ صدر تینوں پارٹیوں کے ذمہ دار حضرات نے وحدتِ مغرب پر تحریری اتفاق کرلیا ہے تو ان حضرات کی مذموم کوششیں بارآور نہیں ہوسکیں گی۔

بہرحال ہمارے نزدیک یہ دونوں مسائل (وحدتِ مغرب اور مغربی اور مشرقی پاکستان کے علاقوں کی زیادہ سے زیادہ خود مختاری) ایسے اہم سوالات ہیں، جن کا تعلق مملکتِ پاکستان کی پستی اور بلندی ہی سے نہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو اس کی زندگی اور موت سے ہے۔ جو حضرات ان کے حل میں کچھ بھی کوشش کریں گے وہ مملکتِ پاکستان کے حقیقی بہی خواہ اور ہماری آنے والی نسلوں کے ہمدرد اور محسن قرار پائیں گے اور جو اس کے خلاف کوشش کریں گے۔ آنے والے مورخ انھیں اس زمرے میں شامل کرینگے جس میں شمولیت کسی انسان کے لئے بھی فخر اور مسرت کا باعث نہیں ہوا کرتی۔

ذرا سوچ کر فیصلہ کیجئے!

جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں تنزل کی حالت میں قوموں کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ زندگی کا کوئی معاملہ پیش ہو وہ اسے غور وفکر سے حل کرنے کی بجائے سطحی جذبات کے سپرد کردیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے مسائل حل ہونے کے بجائے اور زیادہ پریشان ہوجاتے ہیں۔ آپ اس ضمن میں اس ایک مثال کو لیجئے جس کی رو سے طلوعِ اسلام کو تمام ملک میں اس قدر بدنام کیا جارہا ہے کہ جو اس کے ذرا بھی قریب آجائے۔ اس کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب ہوجائیں گی۔ طلوعِ اسلام کا وہ کون سا جرم ہے جس کی پاداش میں اسے اس طرح گردن زدنی قرار دیا جارہا ہے۔ اس کے متعلق آج تک کسی نے علم وبرہان کی رو سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ بس ایک اصطلاح ہے "منکرِ حدیث" جس سے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کے متعلق جو کچھ طلوعِ اسلام کہتا ہے اس میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو خود ان لوگوں کے ہاں نہ پائی جاتی ہو جو اپنے آپ کو حامیِ سنت اور طلوعِ اسلام کو منکرِ حدیث اور (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت قرار دینے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ اس باب

میں ہمارا سب سے بڑا جرم یہ قرار دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کیا تھا کہ پاکستان کے آئین کے متعلق یہ طے ہونا چاہیئے کہ اس کا مدار کتاب اللہ پر ہوگا۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ ہم ارباب بست و کشاد سے کہہ یہ رہے تھے کہ آپ ایک ایسے ملک کے لئے اسلامی آئین مرتب کرنے کا کام لے کر اٹھے ہیں جس میں (مسلمانوں میں) مختلف عقائد اور مختلف مسالک کے لوگ بستے ہیں۔ ان تمام مختلف الخیال لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کسے کہتے ہیں۔ ان سب کے نزدیک کتاب اللہ وہی قرآن کریم ہے جو مسلمانوں کے تمام گھروں میں موجود ہے۔ لیکن "سنت رسول اللہ" کیا ہے؟ اس کے متعلق کوئی دو فرقے بھی متفق الخیال نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ آئین پاکستان کا مدار "کتاب و سنت" پر ہوگا تو اس کے بعد فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ "سنت" کہاں سے ملے گی۔ یعنی وہ کونسی کتاب ہے جس کے متعلق کہا جائیگا کہ جو کچھ اس کے اندر درج ہے۔ وہ "سنت رسول اللہ" ہے اور پاکستان کا آئین اس کے مطابق ہوگا۔ ہم نے کہا تھا کہ جب تک آپ پہلے اس سوال کا جواب متعین نہ کرلیں، یہ نہ کہیئے کہ پاکستان کا آئین "کتاب و سنت" کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کردیا تو یہاں کا ہر فرقہ یہ کہے گا کہ "سنت" وہ ہے جسے ہم سنت کہیں۔ اور اس طرح یہ آئین بنیادی طور پر ہی اختلافات کا اکھاڑہ بن جائے گا۔ اور آپ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکیں گے۔

اس کے جواب میں کہا گیا کہ ملک کے ۳۱ علماء نے (جو مختلف فرقوں سے متعلق ہیں) یہ ریزولیوشن پاس کردیا ہے کہ ملک کا آئین کتاب و سنت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اس میں اختلاف کی کہاں گنجائش ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ ان اکتیس علماء میں سے ہر ایک کے نزدیک سنت وہ ہے جسے اس کا فرقہ سنت سمجھتا ہے اس لئے جب معاملہ عملی تشکیل کا آئے گا۔ تو اس وقت آپ دیکھئے گا کہ "سنت" کے مفہوم کے متعلق کس قدر اختلافات سامنے آتے ہیں واضح رہے کہ ہمارا کہنا یہ نہیں کہ یہ اختلافات اس باب میں ہوں گے کہ فلاں سنت کی صحیح تعبیر یا تفسیر کیا ہے۔ اختلاف اس میں ہوگا کہ "سنت" کہتے کسے ہیں اور فلاں چیز "سنت" ہے یا نہیں ہیں اس کا جواب سوائے استہزاء اور طعن و تشنیع کے کچھ نہ دیا گیا۔

لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ اس وقت سے بہت پہلے ان اختلافات کا سلسلہ ابھر کر سامنے آگیا کہ ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ طلوع اسلام سچ کہتا تھا (جیسا کہ ہم نے لکھا ہے) طلوع اسلام کو ایک فتنہ قرار دینے اور اپنے آپ کو حدیث اور سنت کا سب سے بڑا حامی جتلانے میں جماعت اسلامی سب سے پیش پیش تھی۔ اب اسی جماعت کے امیر سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے خلاف حدیث و سنت کی متبع جماعتوں اور افراد کی طرف سے یہ مہم جاری ہے کہ حدیث اور سنت کے متعلق ان کا مسلک خود متبعین سنت کے مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب، لوائے پاکستان، جمعیت اہلحدیث اور الاعتصام میں آجکل جو بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مودودی صاحب سنت کا جو مفہوم پیش کرتے ہیں وہ ان حضرات کے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں۔ بلکہ ان کا دعوےٰ تو یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ان کے ائمہ کرام کی سخت توہین کی ہے۔ اور مودودی صاحب اس پر مصر ہیں کہ سنت کا جو مفہوم وہ پیش کر رہے ہیں وہ بالکل صحیح اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔

آپ سوچئے کہ اگر آئین پاکستان میں یہ شق رکھ دی جاتی کہ اس کا مدار "کتاب و سنت" پر ہوگا؟ اور اس کے بعد یہ سوال پیدا ہو کہ سنت کسے کہتے ہیں تو مودودی صاحب اور ان کے مخالفین میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہی کچھ اس وقت نہیں ہوگا!

اس کے جواب میں کہا یہ جاتا ہے کہ خود قرآن کریم کی تفسیر میں بھی تو اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس بات پر بھی آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ سوال تفسیر میں اختلاف کا نہیں سوال یہ ہے کہ کتاب اللہ کے متن (TEXT) میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ قرآن کی کسی آیت کے متعلق یہ تو کوئی نہیں کہیگا کہ یہ کلام اللہ نہیں ہے۔ لیکن سنت کے متعلق خود متن (TEXT) میں اختلاف ہے، اس وقت جمعیت اہل حدیث اور مودودی صاحب میں مابہ النزاع مسئلہ یہ ہے کہ جمعیت کے نزدیک بخاری شریف کی تمام احادیث بالکل صحیح ہیں اور سنت رسول اللہ انہی پر مشتمل ہے۔ یعنی جو کچھ بخاری شریف میں بیان کیا گیا ہے وہ سنت رسول اللہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی سب کی سب حدیثیں صحیح نہیں ہیں انھیں حق حاصل ہے کہ وہ ان احادیث کو پرکھیں اور جنھیں صحیح نہ سمجھیں انھیں رد کردیں۔ یہ نزاع سنت کی اس کتاب کے متعلق ہے جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے اور احادیث کے تمام مجموعوں میں جس کا مرتبہ سب سے بلند قرار دیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ میں بھی مودودی صاحب کے نزدیک ایسی احادیث ہیں جنھیں رسول اللہ کی احادیث نہیں مانا جاسکتا۔

ان حالات کے پیش نظر آپ سوچئے کہ جب پاکستان کے آئین کی بابت یہ فیصلہ کرلیا جائے گا کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔ تو اس کے بعد اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں بات سنت ہے یا نہیں! مودودی صاحب یا جمیعۃ اہلحدیث؟

یہ تھی وہ عملی مشکل جس کے پیش نظر طلوع اسلام نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ آئین میں صرف قرآن کریم کا ذکر کیجئے۔ جس کے متعلق تمام فرقے متفق ہیں کہ قرآن اسے کہتے ہیں۔ یہ ہے اس کا وہ جرم جس کی بنا پر اسے نہ معلوم کیا کیا قرار دیا گیا اور دیا جا رہا ہے۔ اس طلوع اسلام کو جس کی ساری عمر اس حقیقت کبریٰ کے اعلان و تبلیغ میں گذر گئی کہ اس آسمان کے نیچے رسالت محمدیہ پر ایمان کے بغیر نجات و سعادت کی کوئی راہ نہیں۔

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد سے متعلق کسی کی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو، جس طریق سے ان پر سے پابندی ہٹائی گئی ہے وہ کسی ایسے شخص کے لئے باعث اطمینان نہیں ہوسکتا جو قاعدے اور قانون کو کچھ بھی اہمیت دیتا ہو۔ (واضح رہے کہ ہم اس وقت اس امر سے بحث نہیں کر رہے ہیں کہ پابندی ہٹائی جانی چاہیئے تھی یا نہیں ہم صرف اس طریق سے بحث کر رہے ہیں جس کے مطابق اس پابندی کے ہٹنے کا تماشا سامنے آیا) ۱۲ جولائی کو مجلس دستور ساز میں ارکان کے حقوق و مراعات پر بحث ہو رہی تھی کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید خاں اٹھے اور انھوں نے زیر بحث مسئلہ پر گفتگو کرنے کی بجائے یہ بیان کرنا شروع کردیا کہ ان کے صوبے میں گزشتہ دو سال میں کسی ایک فرد کو بھی سیاسی وجوہات کی بناء پر جیل میں نہیں ٹھونسا گیا۔ البتہ صرف ایک استثنائی معاملہ خان عبدالغفار خاں کا ہے جن کی حرکات پر پابندی عائد ہے لیکن وہ پابندی صوبائی حکومت کی طرف سے نہیں بلکہ مرکز کی طرف سے ہے۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے انھیں خان صاحب کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں۔ اخباری اطلاع کے مطابق انھوں نے پاکستان کے وزیر داخلہ کو چیلنج سا دے کر اس پر مجبور کردیا کہ وہ بولیں اور تسلیم کریں کہ اس کی ساری ذمہ داری تنہا مرکز پر عائد ہوتی ہے۔ اس پر وزیر قانون مسٹر سہروردی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ یہ قرین دانش نہیں کہ ایک وزیر دوسرے وزیر کو ایسے مسئلہ سے متعلق بولنے پر مجبور کرے جو ایوان کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن اس انتباہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ جنرل اسکندر مرزا اٹھے اور انھوں نے ڈرامائی انداز سے اعلان کیا کہ انھیں صوبائی وزیر اعلیٰ سے پہلی بار یہ سن کر خوشی ہوئی کہ انھیں خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں لہٰذا یہ پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اجلاس کے بعد وزیر داخلہ نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ مرکز نے پابندی صوبائی حکومت کے اصرار پر عائد کی تھی

خان عبدالغفار خاں پر پابندی مرکز نے از خود لگائی تھی یا صوبائی حکومت کی سفارش پر ایسا کیا گیا تھا۔ یہ علیحدہ سوال ہے لیکن یہ ایسا نازک معاملہ تھا جسے دو متعلقہ وزیروں کو یوں برسر عام زیر بحث نہیں لانا چاہیئے تھا۔ اگر سردار رشید کو مرکز کے فیصلے پر ایسا ہی اعتراض تھا تو انھیں مناسب دفتری طریق سے مرکز پر واضح کرنا چاہیئے تھا کہ اس کا فیصلہ غلط ہے۔ یا اب وہ سمجھتے ہیں کہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمیں افسوس ہے کہ انھوں نے ایک غیر متعلق موضوع کو مجلس دستور ساز میں چھیڑ کر ذمہ داری اور احتیاط کی کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی۔ اگر بالفرض استدلال یہ تسلیم کیا جائے کہ انھوں نے مرکز کو لکھا تھا کہ وہ اس پابندی کو ختم کردے۔ لیکن مرکز نے اس پر توجہ نہیں دی تو بھی ان کو حکومتی مشینری کا ایک پرزہ ہونے کی حیثیت سے ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی جو دفتری نظم و نسق کے مسلمہ قواعد کی صریح خلاف جاتی تھی۔ انھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ان کے متعلق یہ افواہیں مشہور ہو رہی تھیں کہ وہ در پردہ خان غفار خاں سے ساز باز کر رہے ہیں اور اپنے سابقہ موقف کو بدل کر وحدت مغرب کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے ہیں۔ یہ ڈرامہ کھیلنے کے بعد گو انھوں نے اول الذکر افواہ کی صحت سے انکار کردیا۔ لیکن آخر الذکر سے متعلق سکوت اختیار کر کے انھوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی گنجائش پیدا کردی کہ وہ خان صاحب موصوف سے رشتہ جوڑ کر ایک یونٹ کے مخالف بن چکے ہیں۔ جہاں تک انکے اپنی

زتند لگا کر ایک یونٹ کے مخالف بن جانے کا تعلق ہے وہ ایک علیحدہ مبحث ہے۔

اگر صوبائی وزیر اعلیٰ نے نیم پختہ سیاستداں کے کردار کا مظاہرہ کیا تو وزیر داخلہ نے بھی تدبیر امور کی کوئی مستحسن شان قائم نہیں کی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ انھوں نے اشتعال میں آکر دستوریہ ہی میں وہ فیصلہ کر لیا جس کے وہ دل سے خواہاں نہیں تھے۔ مانا کہ سردار رشید کا عمل غیر ذمہ دارانہ تھا، یہ بھی تسلیم کہ انھوں نے مرکز کو غلط پوزیشن میں ڈال دیا۔ لیکن مرکز کے وزیر داخلہ کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ جذبات میں بہ کر ایسے اقدام کا اعلان کرتے جس کے نتائج سے متعلق بجا طور پر تشویش ہو سکتی ہے خان غفار خاں کے بیانات سے متعلق جنرل اسکندر مرزا نے جب چند ہی روز قبل یہ اعلان کیا تھا کہ ان کے بیانات کو کابل ریڈیو اپنے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرتا ہے تو قوم نے بجا طور پر ان کی تائید کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ کشمیر اور افغانستان کے بارے میں انھوں نے جو غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے تھے۔ ان کے پیش نظر بعض حلقوں میں ان کی گرفتاری تک کی افواہ پھیل گئی تھی۔ لیکن چونکہ وزیر اعلیٰ سرحد نے ایک نازیبا حرکت کر دی اس لئے وزیر داخلہ نے بھی "آؤ دیکھا نہ تاؤ" جھٹ سے خان صاحب پر سے پابندی ہٹا دی۔ اگر وہ سردار رشید کے بیان کے بعد اس پابندی کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں سمجھتے تھے۔ تو انھیں چاہیئے تھا کہ ذرا توقف کر کے معاملہ کو کابینہ میں پیش کرتے اور شرکائے حکومت سے استصواب کرنے کے بعد کسی فیصلہ پر پہونچ کر مروجہ قواعد سے اس کا اعلان کرتے۔ گو پہلے سردار رشید کی اور ان کی حرکت کو مرکز سے "بغاوت" پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن انھوں نے مصرع طرح دے ہی دیا تھا تو اس پر اس انداز کی گرہ لگانا مرکزی وزیر کے شایان شان نہیں تھا

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دونوں وزیروں نے حکومت کے وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اگر جذبات کو امور سلطنت میں فروغ حاصل ہو گیا تو اس مملکت کا اللہ ہی مالک ہے

چوٹی کی کانفرنس

انسان اس وقت زندگی اور موت کی جس کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی حقیقی علت ایک ہی ہے یعنی نیشنلزم یا وطنیت اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ قومی حکومتوں نے قبائلی اور شہری ریاستوں کے سابقہ تنگ دائروں کو نیست و نابود کر دیا اور انسانی اجتماع میں قدرے وسعت پیدا کر دی۔ لیکن ان نئے دائروں نے انسان کے ایک گروہ کو دوسرے گروہوں کا اس حد تک مخالف بنا دیا کہ وہ ان مصنوعی اور غیر انسانی احاطوں کے بقا کی خاطر مرنے اور مٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس صدی کی پہلی جنگ عالمگیر کی تباہیاں اسی کا نتیجہ تھی۔ اس دستیاب خیز نے ذہن انسانی میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ کیونکہ وطنیت کے مضرات بری طرح سامنے آگئے تھے۔ لیکن جب انسانیت سے اس زہر کا نکلنا تو در کنار الٹا اس میں ایک اور عنصر کا اضافہ ہو گیا۔ جنگ سے پہلے رائج الوقت نظام کم و بیش مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام تھا مگر انقلاب روس نے اس کے مقابلہ میں اشتراکیت کا نیا نظام لا کھڑا کیا اس سے بظاہر کمیونزم اور سرمایہ داری کی تصوراتی نزاع کا آغاز ہو گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس کا جذبۂ محرکہ وطنیت ہی رہ گیا اب انسان کی مصیبت نیشنلزم اور آئیڈیالوجی دونوں سے عبارت ہے۔ اور اسی سے انسان تباہی کے ایسے غار تک آ پہنچا ہے کہ وہ اس میں گر گیا تو کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

دوسری عالمگیر جنگ اور واقعات مابعد نے انسان کے سامنے زندگی اور موت کا جو سوال پیدا کر دیا ہے۔ اس سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ نیشنلزم کو خیرباد کہا جائے۔ ظاہر ہے کہ افراد قوم کی نگاہ جوں جوں جغرافیائی حدود سے بالاتر ہوتی جائے گی ان میں صحیح انسانی سیرت پیدا ہوتی جائے گی جب تک ایسا نہیں ہو جاتا تیسری بین الاقوامی جنگ کا خطرہ ٹل نہیں سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان وطنیت کو ترک کرنے کے لئے تیار ہے؟ بظاہر اس کا جواب نفی میں ملیگا لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو حوادث دانشکار کا رخ .... اسی سمت نظر آتا ہے۔ انسان آج ایک ایسی نازک منزل میں داخل ہو چکا ہے جہاں، اقبال کے الفاظ میں "حیات اپنی سمت وجدانی طور پر از خود متعین کر لیتی ہے۔ اس نے .... جنگ کے ایسے آلات و اسلحہ تیار کر لئے ہیں کہ جن کی تباہی کی محیر العقول ممکنات دیکھ کر وہ سہم گیا ہے؟ ایک طرف وہ اسی سہم میں مزید آلات کی تیاری میں مصروف ہے کہ مبادا کوئی دوسری قوم اس پر سبقت نہ لے جائے۔ دوسری طرف وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آخر ان آلات سے جو جنگ لڑی جائے گی۔ اس میں سے کون بچ کر نکل سکے گا؟ یہ دوسری سوچ حیات کا وجدانی سنبھالا ہے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ یہ بیڑا غرق ہوتے ہوتے اچھل کر مہلک موجوں کی زد سے نکل آئے کہ بقول اقبال

گمے باشد کہ کار ناخدائی می کند طوفاں!
کہ از طغیان موجے کشتیم بر ساحل افتاد است

۱۸ر جولائی کو جینوا میں چوٹی کی کانفرنس شروع ہو گئی ہے اس کانفرنس سے کسی معجزے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ علت مرض جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، وہ چند لیڈروں کی چند روزہ ملاقاتوں سے کلیۃً رفع نہیں ہو سکتی۔ لیکن قرائن کو امید افزا ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کانفرنس کے انعقاد سے تین روز پیشتر صدر آئزن ہاور نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ ایٹمی اسلحہ نے انسان کے سامنے زندگی اور موت کا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن ایسے حالات نظر آتے ہیں کہ دنیا بین الاقوامی تعلقات کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ جینوا کانفرنس اس نئے دور کی تمہید ہے۔ اس سے امن عالم کی بحالی کے لئے بڑا عمدہ موقع میسر آ جاتا ہے۔ اسی روز روسی وزیر اعظم مارشل بلگانن نے کہا کہ مشرق و مغرب کی نزاع کا حل جنگ نہیں، لہٰذا تمام معاملات کو صبر و سکون سے سوچنا اور سمجھنا چاہیئے۔ یہ توقع تو نہیں کی جا سکتی کہ جینوا میں تمام بین الاقوامی تنازعات کا حل مل جائے گا۔ لیکن ان کے حل کرنے کی علامات ضرور نظر آ جائے گا۔ انسان کے مصائب کا حل سوشلزم میں ہو یا سرمایہ داری میں اس کا فیصلہ جنگ سے نہیں بلکہ صحت مندانہ معاشی مقابلہ سے کرنا چاہیئے۔ انھوں نے اقوام مغرب کو یقین دلایا کہ روس کسی دیگر ملک پر حملہ کا ارادہ نہیں رکھتا اور صلح کی بحالی کے لئے امکانی کوشش کرے گا۔ بالکل اسی دن برطانوی وزیر اعظم سر انتھنی ایڈن نے کہا کہ ہمارے سامنے سوال ایٹمی اسلحہ کی تحدید کا نہیں بلکہ سرے سے جنگ کے استیصال کا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان بیانات میں سیاسی مصالح کو بھی بہت دخل ہے اور ان کا مفہوم وہی نہیں ہو سکتا جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تباہی کے عظیم الشان آلات نے جو خود ان کے مخترعین اور موجدین کو اس گہری سوچ میں ڈال کر کہ کیا وہ خود اس ہلاکت سے بچ سکیں گے جو ان آلات سے پھیل جائے گی! قوموں بلکہ افراد کے قدرتی جذبہ تحفظ خویش کو ابھارنا شروع کر دیا ہے اور کوئی عجب نہیں کہ جنگ کے بے پناہ آلات انسان کو جنگ سے خائف بنا کر اس سے باز رہنے کا ذریعہ بن جائیں کیا ایسا ہو سکیگا؟ اس کا جواب جینوا کی چوٹی کی کانفرنس کی روئداد میں ملے گا۔ اگر دنیا کے چوٹی کے رہنماؤں نے پوری طرح محسوس کر لیا کہ ان کے فیصلوں پر انسانیت کے فنا و بقا کا دار و مدار ہے تو ان کے لئے ایسا موڑ مڑنا قطعاً دشوار نہیں ہو گا جو انسانیت کو اس شاہراہ پر ڈال دے جو جنگ سے محفوظ ہے اور اس کو منزل مقصود کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن اس کا یقینی امکان صرف اس نصب العین حیات کے اپنا لینے میں ہے جسے خدا کی کتاب نے نوع انسانی کے سامنے پیش کیا ہے یعنی تمام نوع انسانی ایک عالمگیر برادری۔ ان کے لئے ایک ضابطۂ حیات۔ اس ضابطۂ حیات کا مقصود تمام افراد انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشو و نما۔ جس کی بنیاد قانون مکافات عمل اور زندگی کے تسلسل پر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور آئیڈیالوجی نہیں جس سے انسان کی مشکلات کا حل مل سکے گا۔

ہندو سکھ نزاع

سکھوں کو ہندوؤں نے اس حد تک شیشے میں اتار لیا تھا کہ وہ انہی کی جنگیں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے چنانچہ تقسیم ہند سے پیشتر سکھ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اس طرح ہندو کا بازو نے شمشیر زن بن گیا کہ "ہندو مسلم فسادات" سکھ مسلم فسادات" کی شکل اختیار کر گئے۔ اس وقت ہرچند مسلمان نے سکھ کو دعوت دی کہ وہ معاملہ کے پہلوؤں پر از خود غور کرے اور پھر اپنے مفاد کے مطابق جو فیصلہ اس کی سمجھ میں آئے وہ کرے۔ مگر اس کی ساری جد و جہد اور تگ و دو کا نقطۂ ماسکہ مسلمان دشمنی اور مخالفت پاکستان بن گیا تھا تقسیم کے فوراً بعد اس نے انتہائی بے دردی اور غایت درجے کی شقاوت سے مشرقی پنجاب اور نواحی علاقوں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس وقت وہ اپنے دل میں شاید یہ سمجھ رہا تھا

کہ اس کے بدلے میں ہندو اس کی بڑی آؤ بھگت کرے گا اور سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ لیکن جونہی مسلمان کا معاملہ طے ہوا اور سکھ نے تلوار نیام میں کی۔ اس نے کچھ اور ہی سماں دیکھا ہندو سکھوں میں پھوٹ ڈلوانے اور انھیں آپس میں لڑا کر کمزور کرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ سکھ کو پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ لیکن جب قدرے ہوش آیا اور اس کے خلاف اس نے احتجاج کیا۔ تو اس کے اوپر طعنوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی کہ ہندوستان کا وفادار شہری نہیں اور مسلم لیگ کی سیاست کا تتبع کر رہا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ سکھ پاکستان کے کسانے پر ایسا کر رہے ہیں اور تو اور جب کرکٹ میچ کے سلسلہ میں سکھ پاکستان آئے اور ان کا خیر مقدم کیا گیا تو مشرقی پنجاب کے گورنر نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان نے سکھوں سے فیاضانہ سلوک کر کے ہندوؤں سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے سکھوں کے متعلق ہندوؤں کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز پیپسو میں سکھوں نے جو غیر کانگرسی وزارت مرتب کی تھی، اسے بھی قانون اور امن عامہ کے نام پر توڑ دیا گیا۔ اس کے بعد جو نئی وزارت بنائی گئی وہ کانگرس کی قیادت میں تھی۔

ہندوؤں کی بدسلوکی سے بجا طور پر سکھوں میں تشویش پیدا ہو گئی۔ اور ان کے دل میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے پنجابی صوبے کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ ہندوستان کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ کیونکہ جگہ جگہ سے لسانی بنا پر صوبوں کی از سر نو تقسیم کے مطالبے ہوتے چلے آتے تھے۔ بلکہ خود کانگرس صوبوں کی تقسیم نو کے وعدے کر چکی تھی۔ مگر سکھوں سے مختلف سلوک روا رکھا گیا۔ جب آندھرا کے قیام پر ملک میں صوبوں کی لسانی تقسیم نو کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو حکومت ہند نے ایک کمیشن مقرر کر دیا جو حالات و شواہد کا مطالعہ کر کے رپورٹ مرتب کرے۔ اس کمیشن کے سامنے سکھوں کا مطالبہ پیش ہونے کا وقت آیا تو ہندو نے بڑی چالاکی سے "مہا پنجاب" کی تحریک شروع کر دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ موجودہ مشرقی پنجاب کے صوبے کی حدود میں اور توسیع کی جائے۔ تاکہ سکھوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں اور کم ہو جائے۔ سکھوں نے اس تحریک کا مقابلہ کرنا چاہا تو حکومت نے ان پر پابندی لگا دی کہ وہ پنجابی صوبے کے حق میں نعرے بھی نہیں لگا سکتے۔ لسانی تقسیم نو کی عام فضا میں سکھ پنجابی زبان کے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کرنے میں بالکل حق بجانب تھے۔ لیکن انھیں اس کے حق میں نعرے تک لگانے سے روک دیا گیا۔ اس پر سکھوں نے مورچہ لگا دیا۔ مشرقی پنجاب کی حکومت نے ابتداءً اسے چنداں اہمیت نہ دی اور سکھوں کو یہ کہہ کر مرعوب کرنا چاہا کہ ان کے ہاں جیلوں میں بڑی جگہ خالی ہے۔ لیکن سکھ اس دھمکی میں نہ آئے اور انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ سرکار کی جیل بھر دیں گے مگر نعرے لگانے سے باز نہیں آئیں گے حکومت نے مورچے کو ناکام بنانے کے لئے منحرف سکھوں کو آگے کر کے ایک جوابی مورچہ لگوانا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر جبر و تشدد کا دور شروع ہوا۔ پولیس نے فائرنگ بھی کی اور سکھوں کے کہنے کے مطابق دربار صاحب امرتسر پر قبضہ کر کے اس کی توہین بھی کی۔ مزید برآں سکھوں کے چاروں گے چاروں روزنامے منسوخ کر دیئے گئے۔ اس سختی کا سکھوں پر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹی حکومت کی پریشانیاں بڑھ گئیں کیونکہ دو ماہ میں کم و بیش نو ہزار سکھ گرفتار ہو چکے تھے۔ اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کر مشرقی پنجاب کی پھر حکومت نے سکھوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس نے پنڈت نہرو کے دورہ یورپ سے واپسی کو بہانہ بنایا اور اس خوشی میں سکھوں کے نعروں سے پابندی ہٹا دی۔ یہ بہانہ بڑا مضحکہ انگیز ہے اس سے انگریز کے عہد حکومت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اکابر کے آمد کی خوشی میں بالخاص قومی تہواروں پر بعض قیدیوں کی سزائیں معاف کر دیا کرتا تھا۔ سو دیشی پھر حکومت نے اس کی بھونڈی نقل اتاری حکومت نے نعروں پر سے پابندی ہٹائی۔ تو سکھوں نے مورچہ ختم کر دیا کیونکہ وجہ نزاع یہی پابندی تھی۔ حکومت کے اعلان کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو سکھ اس سلسلہ میں گرفتار ہوئے ہیں انھیں رہا کر دیا جائے۔ لیکن ہنیں وزیر اعلیٰ بھیم سین سچر نے اعلان کیا کہ نعروں پر پابندی اٹھائے جانے کا قیدیوں کی رہائی سے کوئی تعلق نہیں پابندی اٹھانے اور پابندی کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو رہا نہ کرنے کی تک سمجھ میں نہیں آتی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے سکھوں کی تحریک کے زور کو کم کرنے کے لئے یہ چال چلی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں نے مہا پنجاب کی تحریک یک لخت تیز تر کر دی۔ اس سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سے عجب نہیں کہ سکھ اپنا مورچہ پھر سے شروع کر دیں اور سکھوں اور ہندوؤں میں تصادم ہو جائے۔

یہ معاملہ بہرحال سکھوں اور ہندوؤں کے مابین ہے اور ہمیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن ہندو جو سلوک سکھ سے کر رہا ہے اس سے اس کے دعویٔ جمہوریت کی قلعی کھل جاتی ہے جس کا ڈھنڈورا وہ دنیا بھر میں پیٹتا رہتا ہے کہ اس کے ہاں تمام فرقوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ جب اس کا سکھوں سے یہ سلوک ہے جن کے ساتھ ہندوؤں کے رشتے ناطے بھی ہوتے ہیں تو آپ خیال کر لیجئے کہ وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ ہندو کا سلوک کس قسم کا ہو رہا ہوگا۔ وہ مسلمان جسے وہ سمجھتا ہی "ملیچھ" ہے اور یہ بھی سوچ لیجئے کہ جب وہ سکھوں کے الگ صوبے تک کو برداشت نہیں کر سکتا تو کیا وہ مسلمانوں کی بنی بنائی مملکت "کشمیر" یونہی آپ کے حوالے کر دے گا؟

رشید وزارت کی برطرفی

سردار عبدالرشید کی وزارت کی برطرفی پر کسی محب وطن پاکستانی کی آنکھ پرنم نہیں ہوگی اور خیر خواہ وطن کے قلب سے مستقل باب نظم و نسق، مرکز اور گورنر سرحد کی عزیمت کار اور جرأت اقدام کے لئے بے ساختہ داد نکلے گی۔ یہ وہ ناقابل رشک وزارت تھی جس کا انجام اتنا ہی عبرتناک ہوا جتنا اس کا آغاز قابل مذمت تھا۔

سردار عبدالرشید کے پچھلے اعمالنامے کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو گذشتہ چند دنوں میں انھوں نے اپنے آپ کو برطرفی کا پورا مستحق بنا لیا تھا۔ انھوں نے ۱۲ر جولائی کو جو ڈرامہ مجلس دستور ساز میں کھیلا اس کی تلخ یاد برطرفی کے باوجود قومی حافظہ سے محو نہیں ہو سکے گی۔ انھوں نے نہ ملک کا مفاد دیکھا نہ صوبے کے مصالح کا خیال کیا، نہ اپنے عہد کا ہی کچھ پاس کیا اور بڑی ڈھٹائی سے یہ اعلان کر دیا کہ انھیں خان عبدالغفار خاں کے داخلہ سرحد پر کوئی اعتراض نہیں حالانکہ وزیر داخلہ پاکستان کے بیان کے مطابق یہ پابندی حکومت سرحد کے اصرار پر لگائی گئی تھی۔ یہ اعلان محل اور نوعیت کے اعتبار سے مرکز سے بغاوت کے مرادف تھا جو کسی طور قابل عفو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور یہ کسی انتظامی مصلحت کے تحت نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کرشمہ تھا اس ساز باز کا جو برطرف وزیر اعلیٰ در پردہ ناخواندہ عناصر سے کر رہے تھے۔ ہوا کا رخ دیکھ کر آپ نے وحدت مغربی کی تائید کا اعلان کیا تھا اور آپ ہی نے وہ قرارداد پیش کی تھی جسے سرحدی اسمبلی نے پاس کر کے منصوبہ وحدت کو صوبے اور ملک کے مفاد کے عین مطابق قرار دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ ایک یونٹ کے نقشے میں ان کے حصے میں کوئی مسند اقتدار نہیں آئی تو انھوں نے مخالفین وحدت سے سودا کر کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کی سعی نامشکور و مذموم میں کوئی تامل نہ دیکھا، ہرچند انھوں نے بعد میں اس سے انکار کیا کہ وہ کسی سے ساز باز کر رہے تھے لیکن مجلس میں ڈرامہ کھیلنے کے بعد انھوں نے وحدت مغربی سے متعلق جو پراسرار خاموشی اختیار کی وہ ان کے خلاف شکوک و شبہات کو تقویت بخشتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ انھوں نے خان عبدالغفار کی حمایت کی جو چند دن پیشتر وحدت مغربی کی اعلانیہ مخالفت کر چکے تھے۔ ایسی وزارت کو یقیناً ایک دن کے لئے بھی صوبے پر مسلط نہیں رہنا چاہیئے تھا اور ہمیں خوشی ہے کہ گورنر سرحد نے اسے ڈھیل نہیں دی اور فوری اقدام کر کے اسے ختم کر دیا۔

ہمیں اس کی بھی خوشی ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب کو صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر نہیں کیا گیا۔ جب رشید وزارت کی برطرفی کا یقین سا ہو گیا تھا۔ تو بعض حلقوں کا اندازہ تھا کہ ان کی بجائے آپ ہی کو سرحد میں بھیجا جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس صوبے کیلئے خان صاحب ہی موزوں شخص تھے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی ضرورت سرحد سے کہیں زیادہ مغربی پاکستان کے مجوزہ صوبے کو ہے۔ وہ سرد و گرم چشیدہ سیاست دان بھی ہیں اور ایسے مخلص قومی کارکن بھی جن کی ساری زندگی جدوجہد آزادی اور خدمت ملک و وطن میں گزری ہے۔ وہ عمر اور سیرت کے اعتبار سے بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں اور مغربی پاکستان کا جو ایک خاندان بنایا جانے والا ہے اس میں ایسے مشفق سربراہ کی ضرورت بڑی اشد ہے۔ اور پھر وہ لاہور میں بیٹھ کر پشاور کے مفاد کا بھی ویسا ہی خیال رکھ سکیں گے جیسے انھیں نئے صوبے کے دوسرے حصوں کا خیال ہوگا۔

جناب سردار بہادر خاں کو ایسے نازک وقت میں صوبے کی قیادت سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ وہ اس صورت حال کے تقاضوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کی امکانی سعی کریں گے۔ اسی میں ان کے صوبے کا مفاد بھی مضمر ہے اور پاکستان کا بھی۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر دیکھئے)

تاریخی شواہد

(۲۴)

وہ آمادۂ پیکار تھے لیکن حضرت صالحؑ ایک ناصح مشفق کی طرح انھیں برابر سمجھائے چلے جاتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی قبریں نہ کھودو۔ لیکن نشۂ حکومت میں ان نصائح کو سنتا کون ہے؟

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ (۲۷/۴۶-۴۷)

صالحؑ نے کہا کہ اے میری قوم! تم بھلائی (کامیابی و کامرانی) سے پہلے (اس کے بجائے) برائی (ہلاکت اور تباہی) کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو؟ تم لوگ اللہ کے قوانین کی حفاظت میں کیوں نہیں آجاتے۔ تاکہ تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچ جائے (اور دونوں جہان کی کامیابیاں تمہارے قدم چومیں) وہ (کمبخت) بولے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں (ایمان لانے والوں) کو (اپنے لئے) منحوس سمجھتے ہیں (کہ تم نے خواہ مخواہ ہماری عیش و عشرت میں کھنڈت ڈال دی) اس پر صالحؑ نے (جواب میں) کہا کہ تمہاری یہ نحوست خدا کے قانون مکافات کی وجہ سے ہے۔ بلکہ تم وہ لوگ ہو جو بہت جلد عذاب الٰہی میں مبتلا کئے جاؤ گے۔

یہ نتائج و عواقب سے آگاہ کرتے۔ اور وہ (معاذ اللہ) ان کا مذاق اڑاتے تھے! وہ کہتے کہ (خاکم بدہن) تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۳)

(اور دیکھو) انھوں نے کہا کہ (اے صالحؑ) اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے!

انھیں تعجب اس بات پر تھا کہ یہ ایک ہمارے جیسا انسان دعوئے رسالت میں سچا کیسے ہو سکتا ہے!

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۴)

(اور دیکھو انھوں نے کہا کہ) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تم ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو (پھر تم رسول کیسے ہوگئے؟) پس اگر تم سچے ہو تو (اپنے اس دعوے پر) کوئی نشانی (معجزہ) لاؤ۔

یعنی اسی سازِ کہن کی صدائے بازگشت جسے ہم اُمم سابقہ کے احوال و کیفیات میں دیکھ چکے ہیں۔ یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ میں جس نظام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسے عقل و فکر کے معیار پر پرکھ کر دیکھو کہ اس میں بھلائیاں ہی بھلائیاں نظر آتی ہیں یا نہیں۔ اور وہ اس کے جواب میں کہتے کہ ہم بھلا اپنے جیسے انسان کو خدا کا رسول کیسے مان لیں۔ اگر تم خدا کے رسول ہو تو ہمیں کوئی محیر العقول بات کر کے دکھاؤ۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ (۵۴/۲۴)

تو انھوں نے کہا، کیا ہم ایسے آدمی کا اتباع کریں گے جو ہم ہی میں سے ہے۔ اور اکیلا ہے۔ پھر تو ہم ایک (بڑی) گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہوں گے۔

بشر کے ساتھ واحد کے ٹکڑے پر بھی غور کیجئے۔ چونکہ وہ نشۂ قوت میں بدمست تھے اس لئے یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا جس کے ساتھ بہت بڑی جماعت ہوتی تو اس جماعت کی قوت سے ڈر کر ہم اس کی بات مان بھی لیتے لیکن اب ہم اس کی بات کیوں مانیں۔ جب کہ یہ بالکل اکیلا ہے۔ اور پھر جیسا شریر النفس لوگوں کی افتاد ہے۔ وہ اصول سے ہٹ کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں اور حق و صداقت کا جواب گالیوں سے دیتے ہیں۔ تو قوم ثمود نے بھی یہی کیا۔ کہنے لگے۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (۵۴/۲۵)

(اور دیکھو، انھوں نے کہا) کیا ہم سب لوگوں کے درمیان سے (خدا کو یہی ایک ملا تھا کہ) اس پر وحی نازل کی گئی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بڑا ہی جھوٹا اور بہت ہی شیخی باز ہے

ادھر سے یہ دریدہ دہنی اور ادھر جواب فقط اتنا کہ

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴/۲۶)

کل (یعنی مکافاتِ عمل کے دن) وہ بہت جلد جان لیں گے کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا!

یہ اربابِ قوت و ثروت کا رویہ تھا۔ ان کے ساتھ مذہبی پیشوا آگے بڑھے اور انھوں نے یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا چاہا کہ یہ شخص تمہیں تمہارے بزرگوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۱۱/۶۲)

لوگوں نے کہا۔ "اے صالحؑ! پہلے تو تو، ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں (مگر یہ ایک دم تجھے کیا ہو گیا) کیا (اب) تو ہمیں اس سے بھی روکتا ہے کہ ہم ان چیزوں یا انسانوں کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کریں۔ جن کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) ہمارے باپ دادا اختیار کرتے چلے آئے ہیں (یہ کیسی بات ہے) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی ہی نہیں"!

اس کے جواب میں حضرت صالحؑ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہی جو کورانہ تقلید کے مسلک کا صحیح جواب ہو سکتا ہے!

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ (۱۱/۶۳)

صالحؑ نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے عطا فرمائی ہو، تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا۔ اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم (اپنی توقع کے مطابق دعوت دے کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو"!

یعنی تم اپنے مسلک کی صحت کے ثبوت میں فقط یہ دلیل رکھتے ہو کہ یہ تمہارے آباؤ اجداد سے متوارث چلا آ رہا ہے۔ اور میرے پاس میرے اللہ کی عطا فرمودہ وہ قندیل فروزاں ہے جس کی روشنی میں حق و باطل الگ الگ دکھائی دیتے ہیں، نہیں کہیئے کہ میں ایسی شمع نورانی کو چھوڑ کر اندھوں کی لاٹھی کے پیچھے کس طرح چل پڑوں!

لہ یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے۔ یا قوام اپنے انبیائے کرامؑ کے متعلق بعد حسرت و یاس یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں یہ تمہیں کیا ہوگیا! اس سے واضح ہے کہ حضرات انبیائے کرامؑ اپنے دعوائے نبوت سے پیشتر بھی اپنی اقوام میں ممتاز شخصیت کے مالک ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ امتیاز و درخشندگی ان کے کیرکٹر اور قابلیت کی بنا پر تھی۔ اسی لئے پیغامات الٰہیہ کے حاملین شروع ہی سے بلند سیرت و کردار کے مالک ہوتے تھے۔

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرار خودی
(تمہید ۔ مسلسل)

اب ہم مثنوی اسرار خودی کی تمہید کے اس آخری حصہ تک پہونچ رہے ہیں جس میں اقبال نے خود اس مثنوی کے مقصود اور اسلوب بیان کے متعلق چند اشعار میں وضاحت کی ہے پہلا شعر ہے

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست ۔۔۔ بت پرستی، بت گری مقصود نیست

قارئین اقبال کے لئے یہ معمہ اکثر حیرت انگیز بن جاتا ہے کہ اقبال ساری عمر شعر کہتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو شاعر کہلانے سے سخت اجتناب کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ یہاں تک بھی کہہ گیا کہ

نہ آید خیر زاں مرغے زر دست ۔۔۔ کہ برما تہمت شعر و سخن بست

اور اس فریاد کے ساتھ کہ

من اے میر امم داد از تو خواہم ۔۔۔ مرا یاراں غزل خوانے شمردند

سوال یہ ہے کہ شعر کہنا اور شاعر کہلانے سے اس قدر اجتناب برتنا چہ معنی دارد؟ یہیں سے یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ قرآن نے بھی شاعروں کی جو اس قدر مذمت کی ہے تو اس کا مفہوم کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ انسانی خیالات کے اظہار کے دو طریقے ہیں۔ ایک نثر، دوسرا نظم اب ظاہر ہے کہ اگر ایک بات نثر میں کہی جائے اور بعینہٖ وہی بات الفاظ میں ترتیب پیدا کر کے نظم میں کہی جائے۔ تو اس میں ایسی کون سی بات ہو جائے گی کہ اول الذکر اسلوب بیان کی تو تعریف کی جائے اور ثانی الذکر انداز بیان کو قابل مذمت قرار دیا جائے؟ لہٰذا قرآن نے جہاں شاعری کی مذمت کی ہے تو اس سے اسلوب بیان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ اس ذہنیت کی مذمت مقصود ہے جسے وہ "شاعرانہ ذہنیت" قرار دیتا ہے۔

آپ کے سامنے زندگی کا ایک متعین نصب العین ہے۔ آپ کا ہر قدم اسی نصب العین کی طرف اٹھتا ہے۔ اور آپ اسی کی طرف ہر ایک کو دعوت دیتے ہیں۔ پھر آپ کی یہ دعوت علم و بصیرت دلائل و براہین اور عقل و فکر پر مبنی ہوتی ہے۔ جس میں آپ حقائق کا سامنا کرتے ہیں۔ اپنے جذبات کو ہمیشہ حقائق کے تابع رکھتے ہیں۔ اور آپ کے قول اور عمل میں ہم آہنگی ہوتی ہے۔ قرآن اسے پیغمبرانہ اسلوب اور جماعتِ مومنین کی خصوصیت قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس دوسری روش زندگی یہ ہے کہ نہ آپ کے سامنے زندگی کا کوئی متعین مقصد ہے نہ واضح نصب العین۔ آپ کے جذبات آپ کو جدھر لے جانا چاہیں آپ ادھر چل دیتے ہیں۔ کبھی تصورات کی ان وادیوں میں اور کبھی تخیلات کے ان میدانوں میں، ہمیشہ حقائق سے جی چراتے، اور لطائف سے دل بہلاتے، اور اپنے آپ کو فریب دیتے ہوئے۔ پھر جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ محض جذبات پرستی اور مضامین آفرینی ہوتا ہے جسے آپ کی عملی زندگی سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ قرآن اسے شاعرانہ ذہنیت قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ (۲۶/۲۲۵) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں ہائم کی طرح سرگرداں پھرتے ہیں؟ ہیام اونٹوں کی ایک بیماری ہوتی ہے جس میں انھیں جھوٹی پیاس اس قدر ستاتی ہے کہ وہ جنگلوں اور میدانوں میں مارے مارے پھرتے اور کسی چشمہ پر بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حالت شاعرانہ ذہنیت رکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ جذبات پرستی اور حصول شہرت کی جھوٹی پیاس انھیں مختلف وادیوں میں لئے لئے پھرتی ہے اور کسی مقام پر بھی انکی پیاس نہیں بجھتی۔ ان کی ساری عمر اسی دشت پیمائی اور صحرا نوردی میں گذر جاتی ہے۔ پھر ان کے قول و فعل کے تضاد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (۲۶/۲۲۶) وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں خود کر کے نہیں دکھاتے۔ یہ تو ہے شاعرانہ ذہنیت رکھنے والے۔ باقی رہے ان کے متبعین سو ان کے متعلق ارشاد ہے وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (۲۶/۲۲۴) ان کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جو خود راہ گم کردہ ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ٹڈی دل کی ہوتی ہے۔ تعداد کے لحاظ سے تو بے حد و شمار لیکن مقصد محض تخریب۔ نیز کوئی منزل مقصود نہ متعین راستے۔ ان کی زندگی بھی ذہنی آوارگی اور قلبی انتشار میں گذر جاتی ہے۔ نہ اور کی گوں نہ آپ جوگے۔

یہ ہے وہ شاعرانہ روش زندگی جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ یہ کسی پیغامبر کے شایان شان نہیں ہو سکتی وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ہم نے اس پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی نہ ہی یہ بات اس کے شایان شان تھی اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ (۳۶/۶۹) یہ تاریخ کی ٹھوس حقیقتیں اور ایک واضح ضابطۂ حیات لے کر آیا ہے لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا (۳۶/۷۰) تاکہ جس شخص کے اندر زندگی کی کوئی رمق بھی باقی ہے یہ اسے غلط روش کی ہلاکت سامانیوں سے آگاہ کر دے۔ یہ ہے فرق شاعرانہ ذہنیت اور پیغمبرانہ روشِ حیات میں۔ اقبال چونکہ اپنے آپ کو پیامبر کہتا ہے اس لئے وہ شاعر کہلانے سے سخت اجتناب کرتا ہے۔ اور شاعری کو اپنے اوپر بہتان عظیم تصور کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے پیغام کو زبان شعر ہی میں دوسروں تک پہنچاتا ہے

یہ سوال بھی اکثر زیر بحث رہتا ہے کہ اقبال نے اپنی پیغام رسانی کے لئے جو شعر کو ذریعہ بنایا تو یہ اس کے مقصد کے لئے مفید ہوا یا مضر۔ اس میں شبہ نہیں کہ مشرق کی جذباتی اقوام (بالخصوص مسلمانوں) میں شاعری کو بڑی مقبولیت حاصل ہے اور جو بات زبان شعر میں ادا کی جائے وہ بہت جلد اثر کرتی ہے اور پھر شاعری بھی اقبال کے انداز و پایہ کی! اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ شعر کو ذریعہ اظہار بنانا مفید رہا۔ لیکن اس کے برعکس یہ بھی حقیقت ہے کہ

(۱) ہمارے ہاں نثر کے مقابلہ میں شعر کو زیادہ (SERIOUSLY) نہیں لیا جاتا۔ محض ایک تفریحی چیز سمجھا جاتا ہے۔

(۲) شعر کا اثر جذبات پر ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں وہ تیزی سے اثر کر سکتا ہے وہاں اس کا اثر زائل بھی تیزی سے ہو جاتا ہے۔

(۳) شاعر کو اس بات کی رعایت (LICENSE) حاصل ہوتی ہے کہ وہ متضاد باتیں کہتا چلا جائے۔ برعکس اس کے نثر میں اگر ساری کتاب میں دو باتیں بھی باہمدگر متضاد ہوں تو وہ صاحب کتاب کو مطرود (CONDEMN) کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت علامہ اپنے پیغام کو نثر میں لکھتے تو وہ کہیں زیادہ مفید ہوتا۔ آپ نے (اپنے ابتدائی تحقیقاتی مقالہ کے بعد) اپنے خطبات کو نثر میں لکھا۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ جو بات اس کتاب میں ہے۔ آپ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ خود حضرت علامہ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے وہ مطالعۂ قرآن اور فقہ اسلامی کے متعلق نثر ہی میں کتابیں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے (جو افسوس ہے کہ پورا نہ ہو سکا) ان کے اشعار میں (اس قدر احتیاط کے باوجود) بہت سی متضاد باتیں آگئی ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ شعر پر جذبات غالب ہوتے ہیں۔ اور مضامین آفرینی کا خیال تضادات کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے حضرت علامہ کی پیغام رسانی کا مقصد مجروح ہو گیا ہے۔ اور ان کی فکر مربوط اور ہم آہنگ انداز سے سامنے نہیں آسکی۔ لیکن اس کے باوجود وہ جو کچھ زبان شعر میں کہہ گئے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکا۔

اقبال اور قرآن

از پرویز

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ

اقبال کو سمجھنے کے لئے

اس سے بہتر کتاب آپ کو بمشکل مل سکے گی

ضخامت اڑھائی سو صفحات سے زیادہ

قیمت ۲؍ دو روپے

معتزلہ

(تلخیص، علامہ احمد امین المصری مرحوم)

(۱)

عرب کے لوگ سادہ زندگی کے عادی تھے۔ ان کے علوم و فنون محض زبان، ادب، شعر، ضرب الامثال تک ہی محدود تھے۔ انھیں منطق و فلسفہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اسلام جبتک جزیرۂ عرب تک محدود رہا مسلمانوں کو فلسفیانہ موشگافیوں سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اسلام لانے کے بعد قرآن کریم ان کا ضابطۂ حیات اور رسول اللہ صلعم کی زندگی ان کے لئے مشعل ہدایت تھی۔

مسلمان اور فلسفہ

لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور ہر مذہب خیال اور مکتب فکر کے لوگ مسلمان ہونے لگے تو ان میں علمی بحث کا بھی سلسلہ شروع ہوگیا کیونکہ دوسری قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ صدیوں سے فلسفیانہ موشگافیوں کے عادی چلے آرہے تھے۔ انھوں نے ان مسائل کو اسلام میں بھی پھیلایا جو ان کے ہاں چلے آتے تھے۔ تقدیر، خیر اور شر وغیرہ مسائل ان کے اثر سے مسلمانوں میں بھی پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی یہودی، نصرانی اور زردشتی علماء نے جو یونانی فلسفہ اور منطق سے مسلح تھے مسلمانوں سے بحث و مناظرہ کا آغاز کر دیا۔ اس قسم کے بحث و مناظرہ کی مجلسیں زیادہ تر عراق میں منعقد ہوا کرتی تھیں کیونکہ عراق مختلف مذاہب کا گہوارہ تھا وہاں یہودی، نصرانی، مجوسی، زردشتی، صابی، دہری ہر قسم کے مسلک کے لوگ بکثرت آباد تھے۔ شروع شروع میں مسلمانوں کو ان غیر مسلم علماء سے علمی مباحثوں میں اپنا پلہ ہلکا معلوم ہوا تو انھوں نے بھی فلسفہ اور منطق کی طرف توجہ مبذول کرنی شروع کر دی اور کچھ عرصہ میں مسلمان بھی عقلیت کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر میدان میں آگئے اور فلسفیانہ اور منطقیانہ اعتراضات کا جواب فلسفہ اور منطق ہی کی زبان میں دینے لگے۔ ان لوگوں نے ان مسائل میں بھی عقلی حیثیت سے گفتگو میں شروع کر دی جن میں محدثین اور علماء سلف گریز کلام کرنے کو گناہ سمجھتا تھا۔ مثلاً تقدیر، خیر و شر، حسن و قبح، خدا کی صفات، اختیار و ارادہ وغیرہ مباحث پر سیر حاصل گفتگوئیں کیں اور ان مسائل سے متعلق قرآنی آیات کی ایسی تشریحات کیں جو منطق اور فلسفہ کی عام موشگافیوں کی مطابقت رکھتی تھیں۔ یہ وہ راستہ تھا جو ان لوگوں نے محدثین اور علماء کے راستے سے الگ ہوکر اپنے لئے بنایا تھا۔ وہ تب تک محدثین و علماء اسلام ان مسائل پر گفتگو کرنے کے عادی ہی نہ تھے وہ اپنے آپ کو صرف منقولات تک محدود رکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ اس بناء پر محدثین کی طرف سے ان لوگوں کو معتزلہ کا خطاب دیدیا گیا کیونکہ اعتزال کے معنی در اصل عام راستہ سے ہٹ جانے ہی کے ہیں۔

معتزلہ کی وجہ تسمیہ

مسلک اعتزال کے بانیوں میں سے۔ واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید بہت مشہور ہیں۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ واصل بن عطاء چونکہ بصرہ میں امام حسن بصری کے حلقۂ درس سے الگ ہوگیا تھا اور اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن رہتا ہے نہ کافر بلکہ وہ دونوں کے بین بین ہوتا ہے۔ اور اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے امام حسن بصری سے الگ بصرہ کی مسجد ہی میں اپنا حلقۂ درس قایم کر لیا تھا اسلئے امام حسن بصری نے اسکو اِعْتَزَلَ عَنَّا (وہ ہم سے الگ ہوگیا) کے لفظ سے یاد کیا تھا۔ اس بناء پر یہ فرقہ معتزلہ کے نام سے موسوم ہوگیا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بیان صحیح نہیں جسکی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ

(۱) محض ایک عقیدہ کے اعلان یا مسجد میں ایک الگ حلقۂ درس قائم کر لینے سے کوئی مستقل فرقہ وجود میں آسکتا ہے نیز

(۲) جو لوگ اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں ان کے بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے حلقۂ درس سے الگ ہونیوالے کا نام عمرو بن عبید بتایا اور دوسرے لوگوں نے واصل بن عطاء کہا ہے پھر جس حلقہ سے الگ ہوئے تھے اسکو بھی کچھ لوگوں نے حسن بصری کا حلقۂ درس بتایا ہے اور دوسرے لوگوں نے قتادہ کا حلقۂ درس بیان کیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ عجیب تر بات یہ ہے کہ واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید کے متعلق اکثر بیانات اس قسم کے ملتے ہیں۔ "اِنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ بِالْاِعْتِزَالِ" وہ اعتزال کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور "وَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْاِعْتِزَالِ" وہ طبقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتزال اور معتزلہ کا وجود عمرو بن عبید اور واصل ابن عطاء سے پہلے موجود تھا جبھی تو لوگ ان کو اعتزال کی طرف منسوب کیا کرتے تھے نیز اعتزال کا لفظ اس عہد میں اسقدر معروف تھا کہ کسی کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی سمجھا جاتا تھا کہ وہ "اعتزال" کی باتیں کرتا ہے یا وہ طبقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکی تائید طبری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک عامل قیس بن سعد متعینہ مصر کے عہد میں خود مصر میں معتزلہ موجود تھے جنکو وہ راستی پر نہیں سمجھتا تھا لیکن اس نے ان سے کوئی تعرض کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے۔ طبری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کا وجود حضرت علیؓ کے عہد میں موجود تھا۔ علاوہ ازیں ابو الفداء اور ابن الاثیر نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اسلئے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا تھا۔ ان تینوں مؤرخوں کے بیانات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ معتزلہ اور اعتزال کا تعلق امام حسن بصری کے حلقۂ درس کی اس کہانی سے قطعاً نہیں ہے جو عام مؤرخین بیان کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اس کا تعلق کسی دوسری چیز سے ہے جو امام حسن بصری سے پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکی تھی۔

ہماری رائے

ہمارا خیال یہ ہے کہ "اعتزال" اور "معتزلہ" کے الفاظ صدر اسلام میں خاص معنوں میں مستعمل تھے۔ جب کوئی شخص دو جماعتوں کو برسرپیکار دیکھتا اور وہ ان دونوں جماعتوں سے خود کو الگ تھلگ رکھتا تھا نہ ایک فریق کی تعریف کرتا اور نہ دوسرے فریق کی برائی یا ان دونوں برسرپیکار جماعتوں کو غلط راستہ پر سمجھتا تو ایسے آدمی کو "اعتزال" سے موصوف کر دیا جاتا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہونیوالی جنگ جمل اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ہونیوالی جنگ صفین میں جن لوگوں نے یکسوئی اختیار کی اور کسی طرف سے بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے ان کو تاریخ میں معتزلہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

صدر اول میں مسلمانوں میں جو سیاسی فرقے پیدا ہوئے مثلاً حامیان حضرت عثمانؓ اور شیعان حضرت علیؓ، خوارج، حامیان بنو امیہ اور حامیان بنو عباس وغیرہ، ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے اپنے آپ کو ہر ایک گروہ سے الگ رکھا اور کسی پارٹی میں شامل نہیں ہوئے۔ انھوں نے آزادی کے ساتھ مخالف پارٹی پر تنقیدیں کیں اور ان کی غلطیاں ان پر واضح کیں اور پارٹی بندی سے الگ تھلگ رہے۔ ایسے لوگ معتزلہ کہلائے لیکن ابتدائی دور میں یہ گروہ کسی فرقہ یا جماعت کی حیثیت سے متعارف نہیں تھا ابو عبید علاف اور نظام نے اسکو علمی حیثیت سے مدون کیا اور اسے ایک جماعتی حیثیت سے منظم کیا۔ لہٰذا یہ کہنا تو صحیح ہو سکتا ہے کہ ابو عبید نے اسے ایک جماعت کی حیثیت سے عوام میں متعارف کرایا تھا لیکن یہ کہنا غالباً صحیح نہیں کہ ابو عبید ہی اس فرقہ کا بانی تھا اور معتزلہ کا لقب اس واقعہ سے اسے حاصل ہوا جو اس کے حسن بصری کے حلقۂ درس سے الگ ہوجانے سے تعلق رکھتا ہے۔

معتزلہ کا انداز تحقیق

معتزلہ سے پہلے اسلامی تاریخ میں کسی ایسی جماعت کا سراغ نہیں ملتا جو ما ورا الطبیعیاتی مسائل کے متعلق عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں بحث و مناظرہ کرتی ہو۔ معتزلہ کو اس بارہ میں اولیت کا فخر حاصل ہے کہ انھوں نے ان مسائل کو چھیڑا اور ان پر سیر حاصل بحثیں کیں۔ انھوں نے خدا کی ذات و صفات کے بارہ میں دقیق بحث کی جس کے متعلق زبان ہلانا بھی بدعت سیئہ سمجھا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ چونکہ فطرۃً ان فلسفیانہ موشگافیوں اور دقیقہ سنجیوں سے بہت دور تھے اس لئے نہ وہ ان مسائل پر آپ نقطۂ نگاہ سے کبھی غور کرتے تھے اور نہ ہی ان پر فلسفیانہ انداز سے بحثیں کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اس طرح عقل کو بالکل معطل کرکے رکھ دیا گیا تھا۔ کسی بات پر خواہ وہ کتنی ہی خلاف عقل کیوں نہ ہو کسی قسم کی رائے کا اظہار کرنا ان کے نزدیک اپنی جہالت کا ثبوت

بہم پہنچاتا تھا۔ لیکن اسلام جب عرب کی حدود سے باہر نکلا اور ایران اور روم تک پھیلتا چلا گیا تو (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اسلام میں داخل ہونے والی ان نئی قوموں کے اذہان میں سوالات انگڑائیاں لینے لگے جن کے وہ صدیوں سے عادی چلے آ رہے تھے۔ عربوں کی سادگی اور سادہ ذہنی ان افکار کا جواب نہیں بن سکتی تھی جو آئے دن قوموں کو پیش آ رہے تھے۔ علاوہ ازیں ان نو داخل اقوام کے ذریعہ بہت سے غیر اسلامی تصورات اور غیر قرآنی روایات اسلام میں داخل ہوتی جا رہی تھیں جنہیں عرب اپنی سادگی اور سادہ دلی سے برابر اپناتے چلے جا رہے تھے اور اس طرح اسلام اپنی خالص ہیئت سے نکل کر مختلف مذاہب کی افکار و آراء کا ایک عجیب مگر خطرناک مجموعہ بنتا جا رہا تھا۔

معتزلہ نے ان آنے والے خطرات کو بھانپا اور جو روش چلی آ رہی تھی اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ قرآن کے بعد عقل و بصیرت ہر چیز پر حاکم ہے۔ عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اس سے تفکر و تدبر کیا جائے۔ ہر صاحب عقل کے لئے لازم ہے کہ وہ حقائق کے انکشاف میں لگا رہے اور ماوراء الطبیعیات اور ماوراء مادہ سے متعلق مسائل کو حل کرتا رہے۔ اپنے اس اصول کے ماتحت انھوں نے اپنے زمانہ کی مروجہ تفاسیر و احادیث پر نظر ڈالی اور اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق آیات و احادیث کے ایسے مطالب بیان کئے جن سے اس دور کے علماء قطعاً نا آشنا تھے۔ انھوں نے قرآن کی متشابہ آیات کی تفسیریں بیان کیں جو اس دور کی عام روش کے یکسر خلاف تھا۔ انھوں نے اس عام روش سے ہٹ کر متشابہ آیات پر بدھڑک تشریح کی تو ان کو زیادہ تر احادیث اور محدثین سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے شدید جرأت سے کام لیکر ان احادیث کی صحت سے انکار کر دیا جو قرآن اور عقل کے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ ان کے اس طرز عمل سے محدثین کا گروہ ان کا سخت مخالف ہو گیا۔ یہ اختلاف وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا جس نے آگے چل کر بڑی ناگوار صورت اختیار کر لی۔

معتزلہ کے بنیادی عقائد

عقائد کے بارہ میں خود معتزلہ کے درمیان بہت سے امور مختلف فیہ تھے۔ لیکن اصل مبادی میں یہ سب متفق ہیں یہ مبادی پانچ اصول ہیں۔ توحید، عدل، وعد و وعید، المنزلۃ بین المنزلتین (دین بین)، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

توحید

توحید یوں تو ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے مگر معتزلہ اسکی خاص تفسیر کرتے ہیں۔ وہ ذات الٰہی کو صفات سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قدرت ارادہ، سمع اور حیات وغیرہ صفات الٰہی جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں وہ خدا سے الگ بذاتہ یعنی مستقلاً قائم نہیں ہیں کیونکہ اگر ان صفات کو بذات خود قائم مان لیا جائے تو تعدد لازم آئے گا ان کے نزدیک یہ صفات عین ذات الٰہی ہیں۔ وہ خدا کی ذات کو صفات سے منزہ قرار دینے کے سلسلہ میں ایسی آیتوں سے استدلال کرتے تھے جن کے ظاہری الفاظ سے تنزیہ ثابت ہوتا تھا۔ اس زمانہ کے عام علماء تنزیہ کے قائل تو تھے مگر وہ اس کے متعلق بحث و تدقیق میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ وہ اجمالی طور پر تنزیہ کا عقیدہ رکھتے تھے مگر بحث و مناظرہ سے حتی الامکان دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ایسی آیات کا کوئی ایسا مطلب متعین کرنے سے گریز کرتے تھے جن سے تجسیم کو ثابت کیا جا سکتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اس کے سمیع و بصیر ہونے پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہمیں اس سے آگے جانا نہیں چاہئے۔ ہمیں ان تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس طرح سمیع و بصیر ہے اس کے سمیع و بصیر کے کیا معنی ہیں۔ ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم صفات الٰہیہ کی کیفیات کی معرفت حاصل کریں۔ ہم پر اتنا ہی واجب ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم ان تفصیلات اور بحث و مناظرہ میں پڑ گئے تو جو کچھ اس سلسلہ میں ہم بیان کریں گے وہ ہمارا اپنا قول ہوگا خدا کا قول نہیں ہوگا۔ اسلئے ہمارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم خدا کی ذات کو اپنی تاویلوں اور بحثوں کا نشانہ بنا ڈالیں۔ اسلم طریقہ یہی ہے کہ ہم ان مباحث سے دور رہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق کار خود سادہ دل مسلمانوں کے لئے تو کافی ہو سکتا تھا لیکن فلسفیانہ انداز سے ان مسائل پر غور کرنے کے عادی نو مسلموں یا غیر مسلموں کو اس سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان علماء کے مقابلہ میں معتزلہ بہت جری تھے۔ وہ "استویٰ علی العرش" وغیرہ قسم کی آیات کی تشریح و توضیح کیا کرتے تھے۔ وہ اس قسم کی آیات کا ایک خاص محل متعین کرتے تھے جو ان کے عقیدۂ تنزیہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ وہ مسلمانوں میں بھی اپنے ان خیالات و عقائد کی تبلیغ کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ تنزیہ کے بارہ میں عام مسلمان ان سے متحد الخیال ہو جائیں وہ ایمان مجمل کے قائل نہیں تھے۔ متشابہ آیات کے بارہ میں مکمل طور پر زبان بند رکھنے کو وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ عقل کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ نامعلوم باتوں کا کھوج لگائے اور ان کو حل کرے۔

وہ کہتے تھے کہ کوئی شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ قرآن کریم صراحت کے ساتھ اس کا انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" یعنی آنکھیں اس کے جلوہ کی تاب نہیں لا سکتیں۔ معتزلہ کے اس عقیدہ کی وجہ سے ان میں اور محدثین میں مناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ محدثین خدا کی رویت کے بارے میں حدیثیں پیش کرتے تھے جسے معتزلہ یہ کہکر رد کر دیتے تھے کہ قرآن کے مقابلہ میں حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

عدل

توحید کے بعد ان کا دوسرا عقیدہ عدل تھا تمام مسلمان اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل مطلق ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر معتزلہ عدل کے سلسلہ میں چند خاص تشریحیں کیا کرتے تھے کہ (۱) اللہ نے مخلوق کو ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ (۲) اللہ اپنی مخلوق کے لئے نہ شر کا ارادہ کرتا ہے اور نہ حکم دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اشیاء کے اچھے یا برے ہونے کو اہل سنت کی طرح شرعی نہیں بلکہ ذاتی قرار دیتے تھے۔ (۳) انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کا خالق خود ہے۔ انسانی ارادہ افعال کی تخلیق میں آزاد ہے۔

معتزلہ سے پہلے جبریوں کے یہ عقائد عام طور پر پھیلے ہوئے تھے کہ انسان مجبور محض ہے۔ اس کا اختیار و ارادہ آزاد نہیں۔ اسے اپنے افعال پر کسی قسم کی قدرت نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے تنکے کی طرح ہے جس سے ہوا ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہے یا ایسی سوکھی لکڑی کی طرح ہے جو دریا کی موج جدھر جاتی ہو ادھر بہتی جائے۔ اللہ انسانی ہاتھوں سے کام لیتا رہتا ہے معتزلہ نے اسکے برعکس یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان اپنے اختیار و ارادہ میں قطعاً آزاد ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ جونسا طریقہ چاہے اختیار کرے۔

وعد و وعید

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس عمل کے لئے جو وعدہ یا وعید بیان کی گئی ہے اس کا نافذ ہونا ضروری ہے۔ نہ خدا تموج میں آکر بندوں کے گناہوں کو یونہی معاف کر دیتا ہے اور نہ غصہ میں آکر بندوں کی فرماں برداریوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ہر عمل کا ایک نتیجہ مقرر ہے جو لامحالہ صادر ہو کر رہیگا۔

المنزلۃ بین المنزلتین

ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ادائے واجبات بھی اس میں داخل ہے ہر عمل خواہ فرض ہو یا نفل ایمان کا جزو ہے۔ جسقدر عمل بڑھتا ہے اسی قدر ایمان بھی بڑھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے مگر فرائض و واجبات ادا نہ کرے تو وہ مؤمن نہیں ہے جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ نہ مؤمن ہے نہ کافر ہے بلکہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ اسے فاسق کہا جا سکتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

پانچواں اور آخری عقیدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو معتزلہ کے ہاں فرض کے درجہ پر ہے مگر فرض عین نہیں ہے جیسا کہ خوارج کے ہاں تھا جو اس کے لئے ہمیشہ شمشیر بکف رہا کرتے تھے۔ معتزلہ بھی خوارج کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے خروج کرنے اور تلوار اٹھانے کے قائل تھے مگر تلوار اٹھانا اسوقت جائز سمجھتے تھے جب حالات ان کے موافق ہوں اور سارے سامان جمع ہو جائیں۔

یہ پانچوں اصول چونکہ ان کے معاصر علماء کے عقائد و خیالات کے خلاف تھے اس لئے ہر طرف سے ان پر اعتراضات کی بارشیں ہونے لگیں۔ ان کے مخالفین منقولات کا سہارا لیتے تھے اور یہ معقولات کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ علمی اور عقلی اعتبار سے یہ اپنے مخالفین سے بہت برتر تھے۔ یونانی علوم اور دیگر مذاہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت دقیق اور وسیع تھیں قرآن پر بھی ان کی بہت اچھی نگاہ تھی۔ عقل کو احادیث پر حاکم سمجھتے تھے جو حدیث عقل و درایت کے خلاف ہوتی تھی اسے موضوع کہہ دیا کرتے تھے۔

معتزلہ یوں سمجھئے کہ یہ مسلمانوں میں وہ لوگ تھے جو قرآن کی روشنی میں عقل سلیم سے کام لینے کے قائل تھے۔ انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے تھے اور ہر عمل کا ایک فطری نتیجہ تسلیم کرتے تھے اور ایمان بلا عمل کو کوئی وزن نہیں دیتے تھے۔ اور ایمان کی قیمت عمل کے مطابق سمجھتے تھے گناہوں کے مرتکب سے اجتناب ان کے عقیدہ کا جزو لازم تھا۔

عقیدہ کا جزو لازم تھا۔

معتزلہ کی علمی خدمات

معتزلہ نے اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ عباسی دور حکومت میں مسلمانوں اور اسلام پر ایرانی اثرات بہت بڑھتے جا رہے تھے۔ ایرانیوں کی آمد کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سے باطل عقائد بھی عوام میں پھیلتے جا رہے تھے۔ ایرانیوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ زیادہ تر فلسفہ منطق اور طب یونانی کی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرنے میں مشغول تھے چونکہ ان کا عوام سے قریبی رابطہ تھا اسلئے وہ عوام میں اپنے خیالات و عقائد بھی پھیلاتے رہتے تھے۔ ان میں بکثرت ایسے لوگ بھی تھے جو درحقیقت یہودی، نصرانی، یا مجوسی تھے مگر بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھکر اور مسلمان بنکر مسلمانوں میں درپردہ یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ کچھ لوگ درپردہ اس قسم کی سازشوں میں مصروف تھے اور کچھ کھلم کھلا اپنے مذاہب کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے۔ اس مقصد کیلئے انھوں نے مناظروں اور بحث و مباحثوں کی طرح ڈال دی تھی۔ یہ لوگ منطق و فلسفہ کے ہتھیاروں سے بخوبی مسلح تھے۔ انھوں نے بڑھ چڑھ کر اسلام پر اعتراضات شروع کئے محدثین اور فقہاء میں یہ اہلیت نہیں تھی کہ وہ مجوسی اور یہودی و نصرانی علماء کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ کیونکہ یہ سب کے سب منقولات و نصوص ہی تک محدود تھے۔ ان کے علوم کا مدار وہ روایتیں تھیں جو وہ ایک دوسرے سے سنتے آئے تھے۔ اور ایک دوسرے کو سناتے جا رہے تھے۔ اب جو مقابلہ غیر مسلموں سے پڑا جو نہ قرآن کو مانتے تھے نہ احادیث کو۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لئے عقلی دلائل طلب کرتے تھے۔ ضرورت اسکی تھی کہ ان لوگوں کا خود انہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا جائے نیز یہ بھی ضروری تھا کہ خود ان معترضین کے عقائد اور ان کے مذاہب سے پوری واقفیت حاصل کی جائے۔ اور منطق و فلسفہ میں اتنی مہارت پیدا کی جائے کہ ان حریفوں کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے جو ان علوم میں پہلے سے طاق تھے۔ مگر محدثین و فقہاء اس میدان کے مرد نہیں تھے۔ یہود و نصاریٰ، مجوسی اور دہریوں کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے معتزلہ ہی میدان میں آئے جو اپنے حریفوں کے مقابلہ میں ہر طرح سے فائق تھے۔ انھوں نے اپنے زور بیان اور عقلی دلائل و براہین سے چند ہی دنوں میں مخالفین اسلام کی زبانیں بند کر دیں اور مختلف موضوعات پر گرانقدر کتابیں تصنیف کر کے تمام عالم اسلامی میں پھیلا دیں۔ ان کے داعی ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور مخالفین اسلام کا ناطقہ بند کر دیا۔ اگر معتزلہ اس وقت اسلام کی طرف سے مدافعت نہ کرتے تو ان مخالف عناصر کی سازشوں سے اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچتا جس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

معتزلہ ہی نے مسلمانوں میں آزادیٔ رائے اور فکر کا رجحان پیدا کیا۔ دیگر اقوام کے علوم و فنون کو اپنایا اور ان سے استفادہ کا حق ادا کیا۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں ملک کی عام مذہبی فضا یہ ہو گئی تھی کہ خواص تو خواص عام مسلمان بھی اپنے افکار و آراء کے اظہار میں آزاد تھے۔ مذہبی مسائل کے فیصلے عام طور پر عقل سے ہونے لگے تھے۔ اہل شرع جو پہلے حدیث کی روشنی میں احکام نافذ کیا کرتے تھے انھوں نے بھی حدیث سے کنارہ کشی اختیار کر کے بالعموم قرآن کریم کے بعد عقل ہی کو معیار حق و باطل قرار دے لیا تھا۔ ان کے سامنے جو مقدمے آتے تھے ان کے فیصلے وہ یا تو عقل کے مطابق کرتے تھے۔ یا پھر مصالح عامہ کے پیش نظر دینی معاملات کے متعلق احکام سناتے تھے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا جس کے بارے میں نصِ قرآنی یا متفق علیہ حدیث موجود ہوتی تو وہ البتہ قرآن اور متفق علیہ حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے مگر ایسا شاذونادر ہی ہوتا تھا۔ عراق عرب میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مکتب فقہ اسی اصول کا حامی تھا۔ اس حریت فکر اور آزادیٔ رائے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مؤرخوں میں بھی وہ جرأت اور آزادی پیدا ہو گئی جو پہلے ان میں مفقود تھی۔ انھوں نے بڑی جرأت سے کام لیکر اور عام روش سے ہٹ کر بڑی بڑی شخصیتوں پر آزادانہ اور جرأت مندانہ تنقیدیں شروع کر دیں۔ انھوں نے (اور تو اور) صحابہ اور تابعین تک کے اقوال و افعال کو بھی جانچنا اور پرکھنا شروع کیا۔ اور عقل و بصیرت کے مطابق واقعات کے منطقی نتائج نکالنا شروع کر دیئے۔ اس دوران میں یونانی، ہندی، اور ایرانی فلسفوں کا زور ہوا تو سارا ملک اس طرف متوجہ ہو گیا لیکن اس سلسلہ میں یہ توازن برقرار رہا کہ جو مسئلہ قرآن اور متفق علیہ احادیث کے صریح مخالف نہ ہوتا تھا اسے قبول کر لیتے تھے ورنہ رد کر دیتے تھے۔

عقل کی آزادی اس قدر بڑھی کہ عوام تک نے جنات کو خدا کی ایک مستقل مخلوق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ جن بھی چیز تھے جو دکھائی نہیں دیتے تھے اس لئے جو چیز دکھائی ہی نہیں دیتی وہ ایک مادی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے۔ بھوت پریت اور غول بیابانی وغیرہ کے وجود سے بھی عام لوگ منکر تھے۔ ان چیزوں سے ڈرنا تو درکنار وہ جن، بھوت، پریت، دیو، پری اور غول بیابانی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ لوگ ڈر اور خوف کے عادی ہی نہیں تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ڈر اور خوف کوئی چیز ہی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں ڈرتے تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ظالم حاکم تو ہے نہیں کہ اس سے ڈرا جائے بلکہ وہ ایک ایسی ذات ہے جس نے اپنے اوپر عدل کے قوانین کو لازم کر لیا ہے۔ اس لئے جس طرح عدل اسکی سیرت ہے اسی طرح عدل ہماری سیرت ہے اور اس کا قانون ہمارا قانون ہے۔ چونکہ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان اختیار و ارادہ کا مالک ہے اور خیر و شر کا فاعل ہے اس لئے اسے اسکی اچھائیوں اور برائیوں کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ وہ کہتے تھے کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ برائی معاف بھی ہو سکتی ہے تو پھر وہ اچھائی کی طرف رخ ہی نہیں کرے گا۔ اگر ہر شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے تو بدی اور شر بہت حد تک کم ہو جائیں۔

معتزلہ نے صرف اپنے مخصوص عقائد کی ترویج و اشاعت ہی کی کوشش نہیں کی بلکہ علوم و فنون کے ہر شعبہ میں انھوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ زبان و لغت کی تدوین میں انھوں نے کافی حصہ لیا۔ زبان و لغت کے بڑے بڑے امام مثلاً نظامؔ جاحظ، بشر ابن المعتمر، ثمامہ اور احمد بن ابی داؤد، ابوعبیدہ، راغب، ابن فارس وغیرہ جیسے یگانہ روزگار ائمہ لغت و ادب کی مثالیں پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ یہ تمام کے تمام معتزلہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ زور بیان اور طلاقت لسانی اور خطابت میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ جاحظ اور نظام وغیرہ کی کتابیں اور ان کے فقرے آج تک زبان و ادب کے جواہر ریزے شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ معتزلہ ہی تھے جو علم البلاغت کے موجد و مخترع تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فقہ کی تدوین میں بھی ان کا کافی حصہ تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ فقہ کی تدوین پر متوجہ ہونے سے پہلے متکلمین کے ایک بڑے ستون تسلیم کئے جاتے تھے۔ تفسیر قرآن میں بھی ان کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں جا بجا کہیں امام ابومسلم اصفہانی کے اقوال نقل کر دیتے ہیں تو وہاں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ یونانی فلسفہ کو اپنا کر انھوں نے اسلامی عقائد میں اسے جس خوبی سے سمویا اور علم کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی وہ اسکی زندہ شہادت ہے۔

معتزلہ کا عروج

بنوامیہ کے زمانہ میں معتزلہ کا حلقہ زیادہ نہیں پھیلا مگر ان کی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ عباسی عہد میں ابوجعفر منصور کے دور حکومت میں عمرو بن عبید معتزلی کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ ہارون رشید کے عہد میں ان کا کوئی خاص زور نہیں تھا کیونکہ وہ بحث و مباحثے سے بہت دور بھاگتا تھا اس نے منادی کرا دی تھی کہ عام لوگ اس قسم کے مباحثوں میں حصہ نہ لیا کریں۔

عمرو بن عبید نہایت دوراندیش اور مدبر تھے ان کی شروع ہی سے یہ رائے تھی کہ مسئلہ اعتزال کو عوامی مسئلہ بنانا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو اسے سرکاری سرپرستی سے دور ہی رکھا جائے۔ چنانچہ عباسی خلیفہ منصور نے جب عمرو بن عبید سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے معتزلیوں کے نام بتائیں جنہیں اہم سرکاری عہدوں پر فائز کیا جا سکے تو انھوں نے منصور کی یہ پیش کش قبول نہیں کی تھی۔ البتہ وہ منصور کو اہم ملکی معاملات میں مشورہ ضرور دیتے رہتے تھے اور خیرخواہانہ نصائح بھی کرتے رہتے تھے۔ لیکن احمد ابن ابی داؤد اور ثمامہ کی کوششوں سے مامون الرشید نے باقاعدہ طور پر اس مسلک کو قبول کر لیا اور مسلک اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا۔ اسی وقتی طور پر مسلک اعتزال کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ الناس علیٰ دین ملوکھم کے مطابق ہر طرف مسلک اعتزال کا چرچا ہونے لگا ان کا مسلک چونکہ عقل و بصیرت پر مبنی تھا اسلئے وہ خود بھی لوگوں کو اپیل کرتا تھا اسکے ساتھ ہی سرکاری مشینری بھی اسکی تائید میں حرکت کرنے لگی تو وہ تمام عالم اسلام پر چھا گیا۔ عدالتوں میں فیصلے اسی مسلک کے مطابق ہونے لگے جو لوگ اس مسلک کے خلاف زبان ہلاتے تھے ان سے حکومت وقت کی طرف سے باقاعدہ باز پرس کی جاتی تھی اور سزائیں دی جاتی تھیں اسلئے جو لوگ دل کی جان سے اس مسلک کے مؤید نہیں تھے وہ بھی زبان کو اسکی تائید کرنے پر مجبور تھے۔

بڑے بڑے فقہاء اور محدثین میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ رویت باری جیسے مسئلہ کے متعلق علی الاعلان حدیثیں بیان کر سکیں۔

باب المراسلات

غلام اور لونڈیاں

گجرات سے ایک صاحب کا حسب ذیل گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔

میں نے ادارہ طلوع اسلام کراچی کے شائع کردہ تین اہم مسائل میں غلام اور لونڈیاں والے مضمون کو دو تین بار توجہ سے پڑھا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ عین مطابق منشائے انسانیت ہے جس سے کوئی بھی پابند اخلاق انسان اختلاف نہیں کر سکتا۔ اول تو ایک انسان کا دوسرے انسان کو اپنا غلام یا لونڈی بنانا خلاف قانون فطرت انسانی ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ ان غلاموں اور لونڈیوں سے انسانیت سوز سلوک روا رکھنا پرلے درجہ کی شقاوت اور انتہائی ظلم ہے بخصوصیت سے لونڈیوں (زرخرید یا اسیران جنگ) سے بلا نکاح جنسی تعلقات قائم رکھنا سراسر حیوانیت ہے اور دین اسلام کے پیروؤں کے علاوہ بھی دنیا کی کوئی مہذب قوم شاید ہی اسکو برداشت کر سکے۔ مضمون بالا میں خوب خوب دلائل آیات قرآنی سے اس موقف کو ثابت کیا گیا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بزمانہ نزول قرآن، غلام اور لونڈیاں ضرور موجود تھے۔ کیونکہ بار بار ان کی پوزیشن کے متعلق ذکر آتا ہے۔ غلاموں سے اچھا سلوک کرنے اور انہیں آزاد کرنے کی ترغیب جا بجا موجود ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی ایک آیت ایسی زیر نظر آئی ہے کہ جس نے بظاہر ساری خوش فہمی پر اوس ڈالدی ہے۔ معلوم نہیں کہ جناب پرویز صاحب کی نگاہ دوربیں سے کیوں اوجھل رہی ہے۔ یا صاحب موصوف نے دانستہ اسکو اپنے مضمون کے خلاف پاکر نظر انداز کر دیا۔ مجھے تو اس آیت کے ظاہری معنوں نے حیرت میں ڈالدیا ہے بلکہ مولویوں کا لونڈیوں سے بلا نکاح استفادہ کرنے کا عقیدہ ہی شاید اس آیت کی بنا پر ہونیکا شبہ گذرتا ہے۔ وھو ھذا۔

سورۂ مومنون آیت نمبر ۵، ۶ "اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کے مال (لونڈی) سے کہ اس میں ان پر ملامت نہیں" پھر جس نے سوا ان عورتوں کے کچھ اور چاہا تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

میں آجتک یہی سمجھتا رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ رعایت لونڈیوں کے بارہ میں قرآن نے یہی دی ہے کہ۔ آزاد عورت کے علاوہ ایک مسلمان لونڈی سے بھی نکاح کر کے اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ لیکن لونڈی سے اگر نکاح ہو جائے۔ تو وہ بیوی ہو جائے گی لونڈی رہیگی ہی نہیں۔ آیت مذکورہ بالا میں بیویوں کے علاوہ لونڈی کا بالصراحت ذکر آجانے سے دو قسم کی عورتوں سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اول بیوی اور دوم لونڈی۔ ان کے سوا باقی سب سے پرہیز لازم ہے میں خود تو اس فعل کو سخت مذموم سمجھتا ہوں اور میرا دل بھی نہیں مانتا کہ قرآن مجید ایسی بے حیائی کو روا رکھتا ہے۔ لیکن آیت کی عبارت کچھ ایسی واقعہ ہوئی ہے کہ اس سے انکار کرنے کی بھی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ براہ مہربانی اگر خلاف مصلحت نہو تو آیت مذکورہ پر اپنے موقر رسالہ میں روشنی ڈالکر مشکور فرما دیں۔

طلوع اسلام

ہم نے "تین اہم مسائل" میں لونڈیوں کے سلسلہ میں قرآن کی ان تمام آیات کو نقل نہیں کیا جن میں "ما ملکت ایمانکم" یا "ما ملکت ایمانھم" کے الفاظ آئے ہیں۔ ہم نے صرف یہ اصولی بات لکھی تھی کہ قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں وہ انہی کے بابت ہیں جو اس وقت اس معاشرہ میں لونڈی اور غلاموں کی حیثیت سے موجود تھے۔ قرآن میں جہاں جہاں ان کا ذکر ہے ان الفاظ میں ہے کہ ما ملکت ایمانکم جو (بطور غلام اور لونڈی) تمہاری ملکیت میں آچکے ہیں۔ کہیں یہ نہیں کہا کہ "جنھیں تم اس کے بعد لونڈی اور غلام بناؤ گے" (تین اہم مسائل صفحہ ۱۰۲)

محترم مستفسر نے سورۂ مومنون کی جو آیت لکھی ہے اس میں بھی "او ما ملکت ایمانھم" کے معنی یہی ہیں کہ جو لونڈیاں اس وقت مسلمانوں کے گھروں میں موجود تھیں۔ لہٰذا یہ حکم وہیں تک تھا اس کے بعد قرآن نے لونڈیوں کے دروازہ کو بند کر دیا اور جب اس معاشرہ کی لونڈیاں رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں تو ان سے متعلق احکام بھی ساقط العمل ہو گئے۔ مندرجہ صدر اصول کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن یا دشواری پیش نہیں آنی چاہئیے۔ اس زمانہ میں جو لونڈیاں موجود تھیں قرآن نے ان سے تمتع جنسی کے رواج کو علیٰ حالہ رہنے دیا تھا۔

ہم ضمناً اپنے محترم مستفسر کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ اگر وہ یہ الفاظ (صاحب موصوف نے دانستہ اسکو اپنے مضمون کے خلاف پاکر نظر انداز کر دیا) نہ کہتے تو ان کا استفسار پھر بھی مکمل ہو جاتا۔ اور وہ اس بدظنی سے بچ جاتے جسے قرآن نے اثم قرار دیا ہے۔ طلوع اسلام اسے بدترین جرم سمجھتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کو اسلئے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ اس کے کسی پیش کردہ مسئلہ کے خلاف جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے چونکہ مذکورہ صدر کتاب میں قرآن کی متعلقہ آیات نقل نہیں کی گئی تھیں اس لئے اس آیت کے نظر سے اوجھل ہو جانے یا اسے نظر انداز کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا واضح رہے کہ قرآن میں بیویوں کے علاوہ ما ملکت ایمانکم کا ذکر سورۂ مومنون ہی میں نہیں آیا بلکہ دیگر مقامات پر بھی آیا ہے۔ اور ان تمام مقامات میں اس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کے تراجم

ساہیوال سے ایک صاحب کا حسب ذیل مکتوب موصول ہوا ہے۔

تعدد ازدواج کے متعلق طلوع اسلام اور مدیر صدق جدید کے الگ الگ فتاوٰے نے بہا عجیب سی فضا پیدا کر رکھی ہے۔ ہر چند کہ قرآن کریم میں سورۃ النساء کی آیت مبارکہ ؎۳ کے معانی جو محترم پرویز صاحب نے کئے ہیں ایک ضابطہ حیات میں شادی کے متعلق ایک قانونی شق بالکل صاف اور واضح قابل فہم اور قابل عمل ہے مگر صدق جدید بیچارے ہی کا کیا قصور ہے جبکہ تاج کمپنی لاہور نے قرآن مجید مترجم عکسی رنگین کے جو متعدد نسخے بڑی محنت اور احتیاط سے طبع کئے ہیں۔ اور ان میں شاہ رفیع الدین مرحوم محدث دہلوی کا مستند مقبول عام اور مشہور و معروف ترجمہ تحت اللفظ کیا گیا ہے اور حاشیہ پر تفسیر شاہ عبدالقادر صاحب کی کی گئی ہے۔ آیت مذکورہ کا لفظی ترجمہ اور موضح القرآن یوں کرتے ہیں۔

ترجمہ۔ اور اگر ڈرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے بیچ یتیم عورتوں کے پس نکاح کرو جو خوش لگے تم کو سوائے ان کے عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پس اگر ڈرو تم یہ کہ نہ عدل کرو تم پس ایک ہے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے یہ بہت نزدیک ہے اس سے کہ نہ بے انصافی کرو تم)

موضح القرآن ؎

یعنی اگر جانو کہ یتیم لڑکی کو ہم نکاح کریں گے۔ تو اس کا حق نہ ادا کریں گے کیونکہ اس کا حق مانگنے والا نہیں تو عورتیں بہت ہیں کچھ کمی نہیں۔ ایک مرد کو دو بھی اور تین بھی اور چار بھی روا ہیں۔ اس سے زیادہ جمع کرنی روا نہیں کیونکہ اتنے میں بھی انصاف کرنا مشکل ہے نباؤ میں کب ہو سکیگا۔ سو اس قدر بھی جب کرو کہ جانو انصاف سے رہو گے نہیں تو ایک ہی بس ہے یا اپنی لونڈی کفایت ہے۔ جس کو کئی عورتیں ہوں تو واجب ہے کھانے پہننے میں اور دینے لینے میں برابر رکھے۔ اور رات رہنے میں باری برابر باندھے اگر نہ کریگا تو قیامت میں اس کا آدھا جسم گھسٹتا چلے ۴۔ اور تاکید فرمایا کہ عورت مومن کا مہر پورا خوشی سے ادا کرو اگر وہ خوشی سے کچھ چھوڑ دے تو روا ہے۔ ۱۲۔ فدرہ؟

اور قرآن کریم کے ایک دوسرے نسخے میں جس کی طباعت اور ترجمہ مولانا فتح محمد خاں صاحب جالندہری مرحوم نے کیا ہے۔ آیت مبارکہ کا لفظی ترجمہ اور موضح القرآن یوں لکھتے ہیں۔

ترجمہ۔ اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔

ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں۔ تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔

چونکہ ہندوستان۔ پاکستان میں قرآن کریم کے یہ نسخے یا اس قسم کے دوسرے مترجم نسخے موجود ہیں۔ یہی تلاوت کئے جاتے ہیں۔ سمجھے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ تو آپ ہی خود فرمایئے کہ عوام جو عربی زبان نہیں جانتے وہ اس "ضابطہ حیات" میں ایک شادی کے متعلق کیسا باقی اصول و احکام کو سمجھ کر کتنا صحیح یا غلط خود عمل کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو فتوے اور نصیحت دے سکتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جیسے عربی سے ناواقف عوام قرآن کی صحیح تعلیم سے محروم ہیں اسی طرح اگر دریابادی صاحب یا ایک مزاج شناس رسول غلط معانی لکھ کر لکھنے لگ جائیں تو ان کا کیا قصور ہے۔ ہاں ظلم یہ ہے کہ ان کی تقلید ہوتی ہے اور جو کچھ وہ کہہ دیں وہ صحیح سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح دوسری قومیں کیا مسلمان خود صحیح اسلام سے دور کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔

اس کے نتیجے پر میں یہ عرض کروں گا۔ کہ بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانان عالم کو قرآن کی یہی تعلیم دینے کے لئے محترم جناب پرویز صاحب (جن کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں لرزتے ہوئے ہونٹوں سے آرزو ہے کہ وہ انہیں اس کی توفیق ارزانی کرے) کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں مترجم قرآن کریم کی طباعت کرائیں۔ کہ میں بھی اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو سمجھ سکوں اور وراثت میں یہی ایک تبرک جائیداد اپنی اولاد کو دے سکوں۔

عید الضحیٰ نزدیک آرہی ہے۔ اور جیسا کہ اوپر شادی کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہمارے علمائے کرام نے ناقابل فہم و عمل بنا رکھا ہے۔ اسی طرح گلی گلی اور قریہ قریہ میں اپنی اپنی نجات کے لئے جانور ذبح کرکے قربانی کرنا اور پل صراط سے سلامتی سے گذر جانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ الحج کی آیۂ مبارکہ ۲۸ اور ۳۷ بمعہ موجودہ دور کے علمی سطح کے مطابق ترجمہ طلوع اسلام میں ایک دو بار لکھیں تاکہ عام مسلمان اس صحیح حکم کو سمجھ کر عمل کر سکیں۔ لاہور سے پچھلے سالوں میں اس مضمون پر ایک پمفلٹ نکلی تھی اسکی دوبارہ طباعت فرما کر طلوع اسلام کی [illegible] کو قیمت پر ارسال کریں۔ تاکہ

اوّل۔ اللہ تعالیٰ کا صحیح حکم سامنے آ جائے۔ اور

دوئم۔ بیرونی امداد پر زندہ رہنے والا مسلمان ملک اس فالتو خرچ سے بچ کے تجہان نو کی مد چار کا چیاں ارسال غربا کر شکور فرمائیں۔

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ یہ چیز ہر صاحب فکر کے لئے موجب حیرت بن جاتی ہے کہ قرآن کے موجودہ ترجموں میں جہاں کسی کے ہاں کوئی غلطی ہوتی ہے ہر ایک ترجمہ میں وہی غلطی کیوں ہوتی ہے؟۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں نہ قرآن کے کسی ترجمہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی اسکی کوئی تفسیر لکھی گئی تھی۔ سب سے پہلی اور جامع تفسیر امام ابن جریر طبری نے تیسری صدی ہجری میں لکھی۔ اس تفسیر میں انہوں نے التزام یہ کیا کہ جو کچھ لکھا اسکی تائید میں کوئی نہ کوئی روایت ضرور لکھ دی۔ لہٰذا ان کی تفسیر ان کی اپنی تفسیر نہ رہی بلکہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کبار کی تفسیر سمجھی گئی۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب روایات سازی کا بازار گرم تھا اور ہر موضوع پر وضعی روایات آسانی سے دستیاب ہو جاتی تھیں۔ امام طبری نے تفسیر کے علاوہ سب سے پہلی جامع تاریخ بھی لکھی۔ (یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ امام طبری دراصل شیعہ تھے لیکن انہوں نے یہ تفسیر اور تاریخ دونوں سنیوں کے امام کی حیثیت سے لکھیں) چنانچہ ان کی تفسیر ام التفاسیر اور ان کی تاریخ ام التواریخ کہلاتی ہے

ان کے بعد جو تفسیریں بھی لکھی گئیں وہ بالعموم امام طبری ہی کی تفسیر کے تتبع میں لکھی گئیں۔ اس لئے کہ ان کی تفسیر کی تائید میں روایات لکھی گئی تھیں۔ لہٰذا ان کے خلاف تفسیر لکھنے کے معنے یہ تھے کہ آپ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف جا رہے ہیں۔ جہاں جہاں کسی نے ان سے اختلاف کیا وہ اسی بنا پر کیا کہ ان کی فلاں روایت کمزور ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ روایت قوی ہے۔

بنا بریں بجز ان مستثنیات کے جن میں کسی نے اختلاف کیا ہو ہمارے ہاں قرآن کا وہی مفہوم صحیح سمجھا گیا ہے جسے امام طبری نے سمجھا دیا ہے۔ تفسیروں کے بعد جب ترجموں کی باری آئی تو ان میں بھی اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا گیا جو تفسیر میں بیان ہوا تھا۔ لہٰذا ہمارے ترجمے قرآنی الفاظ کے ترجمے نہیں بلکہ قرآن کے اس مفہوم کے مظاہر ہیں جو ہماری تفسیروں میں بیان ہوا ہے۔ چونکہ یہ تفسیریں مطولہ بخارا، شام اور ہندوستان۔ عرب و عجم ہر جگہ درس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کا ترجمہ خواہ وہ فارسی میں ہو یا ترکی میں۔ اردو میں ہو یا خود عربی میں ہر جگہ کم و بیش ایک جیسا ہوتا ہے۔ اب جو غلطی ایک میں پائی جائے گی وہ دوسروں میں بھی پائی جائے گی۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء کی زیر نظر آیت کو لیجئے۔ آیت ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ .....
اس کا ترجمہ آپ کو یہ ملے گا کہ

اور اگر ڈرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے بیچ یتیم عورتوں کے پس نکاح کرو جو خوش لگے تم کو سوائے ان کے عورتوں سے۔

آپ دیکھیں گے کہ یہ الفاظ کہ تم ان کے سوائے اور عورتوں سے نکاح کرو قرآن میں نہیں ہیں۔ اور اسی ٹکڑے نے (کہ تم ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کرو) سارے مفہوم کو بدل دیا ہے۔ یعنی قرآن نے کہا تھا کہ انہی عورتوں میں سے جو بلا شوہر کے رہ گئی ہوں، اپنی حسب منشا ایک سے زیادہ شادیاں کرو۔ اور ترجمہ نے یہ کہا کہ ان عورتوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے شادیاں کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ الفاظ قرآن میں نہیں تو ترجمہ میں کیسے آگئے؟ ترجموں میں یہ الفاظ تفسیر سے آئے۔ اور تفسیر میں ایک روایت کی سند سے آئے۔ چنانچہ بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرکے ان کی حق تلفی کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ حکم آیا کہ تم ان لڑکیوں سے نکاح نہ کرو۔ اور عورتیں بہت ہیں ان سے دو دو تین تین چار چار تک نکاح کر لیا کرو۔ یہ روایت تفسیر میں آئی اور اس تفسیری مفہوم کے ماتحت ترجمے ہوئے۔ اب جو شخص اس ترجمہ پر اعتراض کرے تو اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو خود رسول اللہ صلعم کا بیان فرمودہ مفہوم ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے اپنی حدیثوں کا کوئی مجموعہ امت کو نہیں دیا تھا۔ اور تفسیریں اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں جب خود محدثین کی تحقیق کے مطابق وضعی حدیثوں کا بازار گرم تھا۔ بہرحال یہ سبب ہے کہ ہمارے ترجمے قرآن کے الفاظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک جب رسول اللہ صلعم نے اپنی تفسیری احادیث کا کوئی مستند مجموعہ امت کو نہیں دیا تو قرآن کے سمجھنے کا صحیح اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ خارجی اثرات کو الگ رکھ کر قرآن کو خود قرآن ہی سے سمجھا جائے۔ یعنی عربی زبان کی رو سے اور قرآن نے تصریف آیات سے اپنا جو مفہوم خود واضح کر دیا ہے اسکی رو سے۔

محترم پرویز صاحب انہی اصولوں کے مطابق قرآنی الفاظ کی لغت اور قرآن کا مفہوم مرتب کر رہے ہیں۔ تصریف آیات پر ان کی نگاہ کتنی دور تک جاتی ہے اس کا اندازہ معارف القرآن کی جلدوں سے لگ سکتا ہے۔ لغت اور مفہوم کا کام بہت بڑا کام ہے لیکن وہ اس کا بیشتر حصہ مکمل کر چکے ہیں اور اب تھوڑا سا حصہ باقی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ محنت اور کاوش قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی ممد و مددگار ہوگی۔ اس کی طباعت کے متعلق البتہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا اس کے متعلق وقت آنے پر بتایا جائیگا۔

قربانی قربانی کے متعلق اس سے پہلے طلوع اسلام میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور جس پمفلٹ کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی طلوع اسلام ہی کے ایک مضمون پر مشتمل ہے۔ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن نے جہاں بھی جانور ذبح کرنے کا ذکر کیا ہے اسکی تقریب حج اور اس کا مقام کعبہ بتایا ہے۔ لہٰذا عام لوگوں کے لئے اپنے اپنے شہروں اور بستیوں میں عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرنے کا حکم قرآن میں نہیں آیا۔ ہم صرف اتنی سی بات کہتے ہیں۔

۳۔ امریکی امداد کراچی سے ایک صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ سابقہ اشاعت میں امریکی

امداد کے متعلق طلوع اسلام نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میں بالکل متفق ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس امداد کی شکل غلط ہے۔ وہ ہمیں مختلف چیزوں کی امداد دیتے ہیں اور ان چیزوں کا حشر یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے نالائق اور بددیانت ہاتھوں میں پڑ کر ان کا بیشتر حصہ خورد برد ہو جاتا ہے اور بہت کم چیز اصل ٹھکانے پر پہنچتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہم ان کا احسان بھی لیتے ہیں اور ہمارا بنتا بھی کچھ نہیں ہمارے ہاں جس چیز کی بنیادی کمی ہے وہ ملک کے منتظمین (Administrators) کی کمی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم امریکہ سے کہیں کہ وہ ہمیں ایسے منتظمین دے کہ جو مملکت کے نظم و نسق کو نہایت عمدگی سے چلا سکیں۔ وہ منتظمین نہ صرف ہمارے نظم و نسق ہی کو چلائیں بلکہ ہمارے ہونہار نوجوانوں کو اس کی ٹریننگ بھی دیں۔ اس سے ایک تو ہم اس طبقہ سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے جن کا پیشہ ہی سیاست ہے اور دوسرے ہمارے ملک کی گاڑی صحیح پٹڑی پر پڑ جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ امریکہ والے اپنے مفاد کو ضرور پیش نظر رکھیں گے لیکن وہ تو موجودہ امداد کے سلسلہ میں اپنے مفاد کو سامنے رکھ رہے ہیں۔

طلوع اسلام طلوع اسلام اس تجویز پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ملک کے نالائق اور بددیانت ارباب بست و کشاد نے قوم کو اس نتیجہ تک پہنچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہمارے ہاں صحیح نظم و نسق کا اہل کوئی بھی نہیں ہے۔ اہل کوئی ہو یا نہ ہو واقعات تو اسی کی تصدیق کر رہے ہیں کہ یہاں رجال رشید کی بڑی ہی کمی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے متوسط طبقہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو تھوڑی سی ٹریننگ سے امور جہانبانی کے نہایت عمدہ اہل ہو سکتے ہیں ہماری مشکل یہ ہے کہ اوپر کا طبقہ انہیں آگے بڑھنے کے لئے موقع ہی نہیں دیتا۔ لہٰذا سوچنا یہ چاہئے کہ اس "کرگسی" طبقہ کے چنگل سے نجات کیسے مل سکتی ہے!۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت — ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی (۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیے۔ (۵) ہر آرڈر کے ساتھ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء کراچی

دریاں اور کھیس

ہر قسم ہر سائز مناسب قیمت پر سائز سے تیار لیجئے یا آرڈر دے کر اپنی پسند کی بنوا لیجئے۔

پنجاب دری اسٹور۔ راجہ ویلین نزد گوردن داس کا تھارکیٹ کراچی۔

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیز ڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش — قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات — قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چھبیس صفحات — قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات — قیمت — دو روپے

سلیم کے نام از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات — قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت — چار روپے

اسباب زوال امت از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔ ایک سو اڑتالیس صفحات — قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر ساٹھ سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۰۷ صفحات — قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۸ صفحات۔ قیمت — چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد — چار روپے

فردوس گم گشتہ از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۲۱۴ صفحات — قیمت چھ روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات — قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ — قیمت دو روپے

نظام ربوبیت از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور۔ دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔

قیمت قسم اول — چھ روپے قسم دوم — (غیر مجلد) — چار روپے

اقبال اور قرآن از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ گرد پوش کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء - کراچی

جاوید پریس بیکلوڈ روڈ کراچی

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات اور زمانہ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کیجا چکی ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ ان کے حالات و کوائف اُن کی اخلاقی اور اجتماعی کیفیات پر کس طرح اثر انداز تھے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ کو بیان کرنے کے بعد آج کی فرصت میں اسکے مظاہر میں سے ایک مظہر یعنی لغت اور زبان کے باب میں یہ بیان کیا جائیگا کہ ہم اس سے کس طرح انکی حیات عقلیہ کا پتہ لگا سکتے ہیں اور اس راستہ میں کیا کیا دشواریاں ہیں۔

(دوم) عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان قبائل میں ۔۔ کم و بیش ۔۔ زبان اور لہجہ میں باہمی اختلافات بھی ہوتے تھے بعض قبیلے ایک لفظ کو استعمال کرتے تھے اور دوسرا قبیلہ اسکو استعمال نہیں کرتا تھا یا اسکی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرتا تھا۔ روایات میں موجود ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ جب قبیلۂ دوس سے فتح خیبر کے سال آئے اور رسول اللہ صلعم سے ملاقات کی ۔۔ ایک مرتبہ رسول صلعم کے دست مبارک سے چھری گر پڑی تھی ۔۔ تو آپ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ مجھے چھری پکڑا دو" (نَاوِلْنِي السِّكِّينَ) تو ابوہریرہ دائیں بائیں دیکھنے لگے اور سمجھ نہیں سکے کہ سِكِّينَ کے لفظ سے آپ کا مقصد کیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے دوبارہ سہ بارہ وہی بات دہرائی تو ابوہریرہ نے چھری کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا کہ آپ چھری (مُدْيَة) مانگ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے انھیں بتایا کہ "ہاں! ابوہریرہ نے تعجب سے کہا کہ کیا تم لوگ اسے سِكِّين کہتے ہو"؟ اور اس کے بعد ابوہریرہ کہنے لگے کہ بخدا میں نے تو اس سے پہلے کبھی یہ لفظ سنا ہی نہیں۔ زبان و لغت کے ان اختلافات کی انفرادیت و یگانگت اسلام سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور یہ عمل اسلام کے بعد بھی مسلسل جاری رہا۔ بسا اوقات ایک قبیلہ ایک لفظ کو استعمال کرتا تھا جسے دوسرا قبیلہ استعمال نہیں کرتا تھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ کسی قبیلہ کے بعض طبعی اور اجتماعی کوائف و حالات ان کوائف و احوال سے مختلف ہوتے تھے جو کسی دوسرے قبیلہ کے ہوتے تھے۔ مثلاً کوئی قبیلہ ساحل پر آباد تھا تو دوسرا قبیلہ پہاڑیوں پر آباد تھا۔ تیسرا قبیلہ میدانی نرم زمین پر آباد ہوتا تھا وغیر ذلک۔ لہٰذا کسی شاعر کے شعر میں اگر ہمیں کوئی ایک لفظ ملتا بھی ہے تب بھی ہم اس سے سارے عربوں کی حیات عقلیہ پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

(سوم) بہت سے عربی الفاظ اسلامی عہد میں پیدا ہوئے ہیں۔ ابن جنی نے خصائص میں بیان کیا ہے کہ "ایک عربی آدمی کی فصاحت جب قوی ہوتی اور طبیعت بلند ہوتی ہے تو وہ ایک ایک لفظ سے نئے نئے لفظ بناتا چلا جاتا اور نئے نئے الفاظ گڑھنا شروع کر دیتا ہے جو اس سے پہلے لوگ استعمال نہیں کرتے تھے چنانچہ رؤبہ اور اس کے والد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں ایسے ایسے الفاظ گڑھ لیتے تھے جو نہ انھوں نے کبھی کسی سے سنے ہوں اور نہ ان سے پہلے لوگوں نے استعمال کئے ہوں؟ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ بہت سے الفاظ کے معنی اسلام کے بعد تبدیل ہو گئے۔ مثلاً ایک لفظ کے معنی زمانہ جاہلیت میں عام ہوا کرتے تھے مگر اسلام کے بعد وہ کسی ایک مفہوم کے لئے خاص ہو گئے۔ چنانچہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، بیع، مزارعۃ وغیرہ الفاظ اسی قسم کے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک لفظ کا مدلول زمانہ جاہلیت میں کچھ اور ہوتا تھا اور اسلام کے بعد کچھ اور ہو گیا۔ کیونکہ تمدن و حضارت میں بسنے والوں کی عقلیں ایک اسٹیج سے دوسرے اسٹیج کی طرف برابر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان انتقالات سے قدرتی طور پر لفظوں کے مفہوم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً کرسی، مائدہ، خوان، مطبخ، کانون، منخل کا مفہوم جو ایک بدوی آدمی کے ذہن میں ہو سکتا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہوگا جو ایک متمدن آدمی کے ذہن میں ہوگا۔ ایک بدوی آدمی کے ذہن میں کرسی کا مفہوم ایک نہایت ہی سادہ سی شکل پر ہوگا جس پر کرسی کا لفظ بولا جا سکے لیکن ایک متمدن آدمی کے ذہن میں کرسیوں کی وہ مختلف شکلیں آ جانا لازمی ہیں جن کا ایک بدوی آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ذرا ایک قدم اور آگے بڑھایئے اور سوچئے کہ آج کے عہد میں موٹر، صحافت، جریدہ، مطبعہ کے الفاظ سے ہمارے ذہنوں میں کیا کیا شکلیں پیدا ہوتی ہیں اور انہی الفاظ سے ایک بدوی آدمی کیا کچھ سمجھتا ہوگا۔ بدوی کو تو چھوڑیئے عباسی عہد میں ایک متمدن آدمی ان الفاظ کو کیا سمجھتا ہوگا۔ یقیناً ان الفاظ کا وہ مدلول جو آج ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے اس مدلول سے قطعاً مختلف ہوگا جو عباسی عہد کے ایک متمدن عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہوگا اور اس مدلول سے تو نہایت ہی مختلف ہوگا جو ایک بدوی آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہوگا۔

اول تو یہ پتہ لگانا ہی نہایت دشوار ہے کہ جاہلی عربوں کا اسلام سے پہلے ذخیرۂ الفاظ کیا تھا؟ اور اگر یہ معلوم بھی ہو جائے تو یہ معلوم کرنے کا کونسا راستہ ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم پوری باریکی کے ساتھ ان کے نزدیک کیا ہوا کرتا تھا؟ یہ ایک ایسی جستجو ہے جس میں کامیاب ہونا بڑا ہی مشکل ہے۔

بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم اس مشکل کو پوری طرح پر حل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں نے اسکے نازل ہونے کے عہد میں اسے سمجھا۔ قرآن کی نصوص اس قسم کی ہیں کہ ان میں شک کی گنجائش بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن کریم کے ذریعہ سے ہم زمانہ جاہلیت کی زبان کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کئی جہت سے قابل غور ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ قرآنی نصوص میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ معاندین کے جو اقوال قرآن کریم نقل کرتا ہے یا ان کی حیات اجتماعیہ اقتصادیہ کی جو کچھ وہ صورت کشی کرتا ہے۔ ان سے جاہلیت کی حیات عقلیہ کے متعلق ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے لیکن یہ مشکل اپنی جگہ پر پھر بھی باقی رہتی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ، اسکی تعبیرات اور اس کے معانی مکمل طور پر جاہلی عربوں کی زبان کا نمونہ پیش نہیں کرتے قرآن کریم نے ایسے الفاظ کو بھی استعمال کیا ہے جنھیں جاہلی عرب استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس نے بعض الفاظ کو مخصوص معنوں میں استعمال کیا ہے جنھیں جاہلی عرب ان مخصوص معنوں ہی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس نے ان استعارات و مجازات سے بھی کام لیا ہے جو اس دائرہ سے خارج تھے جنھیں جاہلی عرب استعمال کیا کرتے تھے۔ قرآن کے اسلوب میں ایک خاص قسم کی گہرائی ہے جو جاہلی عربوں کے اسلوب سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے کچھ خاص مضامین و معانی ہیں۔

سیوطی نے "المزہر" میں لکھا ہے کہ "ابن خالویہ کا بیان ہے کہ جاہلیت کا لفظ وہ اسم ہے جو اسلامی عہد میں اس زمانہ کے لئے پیدا ہوا جو رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے تھا۔ ایسے ہی منافق ایک اسلامی اسم ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ واقف نہیں تھے۔ ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کلام اور اشعار میں فاسق کا لفظ قطعاً کبھی نہیں سنا گیا .... الخ"

ان تصریحات کے بعد ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا ذخیرۂ الفاظ، اور قرآن کے مضامین اور امثال زبان کی جہت سے عربوں کی حیات عقلیہ کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

تاہم ان تمام دشواریوں کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے جو اشعار اور ضرب الامثال صحیح سند سے سلامتی کے ساتھ ہم تک پہنچ گئے ہیں، وہ ۔۔ کسی نہ کسی حد تک ۔۔ جاہل عربوں کی حیات عقلیہ پر کچھ رہنمائی ضرور کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ رہنمائی ایسی ہی ہوگی جیسے کسی کے کرتہ کی ایک آستین ہمیں مل جائے اور اس آستین کو دیکھکر ہم یہ اندازہ لگالیں کہ خود وہ کرتہ کتنا لمبا اور کتنا چوڑا ہوگا۔ نیز یہ بھی کہ اس سلسلہ میں مادی چیزوں اور معنوی چیزوں کا پتہ لگانے میں بہت ہی مختلف قسم کی دشواریاں پیش آئیں گی۔

اس کے بعد جو الفاظ بچ جاتے ہیں ان سے یہی صاف نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربی زبان کے الفاظ کا مجموعہ کسقدر وافر (Rich) تھا خصوصیت کے ساتھ وہ الفاظ جو کسی نہ کسی حد تک اُن کی معیشت سے تعلق رکھتے تھے۔ استاد نُوْلْدِکِہ نے اس چیز کو کتنے عمدہ الفاظ میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قدیم عربی زبان کے الفاظ کے ذخیرہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو حیرت میں رہجاتے ہیں۔ ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زندگی نہایت سادہ زندگی تھی اسکے تمام احوال و کوائف میں انتہائی سادگی تھی انکے ملک کے مناظر ایک ہی نوعیت کے اور ایک ایک کی روش کے ملتے جلتے تھے جنھیں دیکھکر آدمی اکتا جائے۔ اس کا نتیجہ بظاہر یہی ہونا چاہئے تھا کہ عربوں کا فکری دائرہ نہایت ہی تنگ ہوتا لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس تنگ ترین دائرہ کے اندر بھی انھوں نے معمولی معمولی تبدیلیوں کے لئے بھی ——— اگرچہ یہ تبدیلیاں کم ہی ہوتی تھیں ——— متفرق الفاظ وضع کر رکھے تھے۔

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس عمل کو قرآن کریم ایک نبی کا عمل کہہ کر اس کا ذکر کرتا ہے اور اس کے خلاف کچھ نہیں کہتا۔ تو وہ عمل کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم قرآن کی اس تعلیم پر رہتے تو ہمیں نہ وہ نفسیاتی کشمکش پیش آتی۔ جس میں یہ حضرات گرفتار نظر آتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کی حیلہ تراشیوں کی ضرورت پڑتی۔ جس چیز کو خدا نے جائز قرار دیا ہے۔ اسے جائز ہی رہنا چاہیئے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ۔

حقائق وعبر

سرمۂ بصر

اقبال نے کہا تھا کہ

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ملک کے چھن جانے میں وہ کون سے سرمے کی خصوصیت ہے جس سے ملت کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ اقتدار چھن جانے میں واقعی فصد کھلنے کی سی تاثیر ہوتی ہے۔ جس سے بڑے بڑے اندھوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس کی تازہ مثال فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ جن کا شمار بجا طور پر پاکستان کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک حالیہ بیان میں فرمایا ہے کہ جب میں قلمدان وزارت سنبھالے ہوئے تھا تو مجھے اس کا قطعاً احساس نہ تھا کہ سیفٹی ایکٹس کس قدر خرابی کا موجب ہیں۔ لیکن وزارت کی کرسی چھننے کے بعد میں نے دیکھ لیا کہ یہ قوانین بڑی خرابیوں کا موجب ہیں۔

(ناظر آف کراچی یکم جولائی ۱۹۵۵ء)

آپ نے دیکھ لیا کہ اقتدار چھن جانے سے نگاہوں پر سے کتنے بڑے بڑے دبیز پردے اٹھ جاتے ہیں؟ بعض کے متعلق تو سنا ہو کہ انھیں دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں اور بعض کو ایک کے دو دو دکھائی دینے لگتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فضل الرحمٰن صاحب کو یہ روشنی کچھ پسند نہیں آئی کیونکہ وہ مجلس دستور ساز کے مری کے اجلاس میں جس طرح خواہ مخواہ نمایاں ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے نظر آتا ہے کہ وزارت کی ہوس انھیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتی۔ دیکھیں وہ دن کب آتا ہے کہ یہ موجودہ روشنی کی فضا کو چھوڑ کر پھر اس ظلمت کدہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ جہاں ملک میں ہر طرف خیریت ہی خیریت نظر آیا کرتی ہے۔

مجبوریاں

پچھلے دنوں پنجاب کابینہ میں دو اور وزیر شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق جب وزیر اعلیٰ (عبدالحمید دستی) سے پوچھا گیا کہ آپ نے تو شروع میں کہا تھا کہ کابینہ میں صرف ایک وزیر کا اضافہ کیا جائے گا۔ اور اب آپ نے دو وزراء کو شامل کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ آپ کو علم نہیں کہ میں اور میرے ساتھی دو اور وزیر مجلس آئین ساز میں بھیج دیئے گئے ہیں۔ ہمارا سارا وقت تو وہاں صرف ہو جایا کرے گا۔ اس لئے حکومت کا کام چلانے کے لئے اور وزیر رکھنے پڑے۔

ان سے کوئی پوچھے کہ جب آپ کو علم تھا کہ مجلس دستور ساز کی رکنیت سے آپ کا وقت وہیں صرف ہو جائیگا تو آپ اس مجلس میں آئے ہی کیوں ہیں؟ آپ یا تو وزیر رہتے یا مجلس آئین ساز میں آتے۔ لیکن آپ بدستور مسند وزارت پر بھی متصرف ہیں اور مجلس آئین ساز میں بھی براجمان ہیں یہ الگ بات ہے کہ وزارت کا کام چلانے کے لئے الگ وزیر مقرر کر لئے گئے ہیں۔

یہ ہیں پاکستان کے وہ محب وطن جنھیں ملت کا درد کسی پہلو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ مشرقی بنگال کی متحدہ محاذ کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صوبائی وزراء مجلس آئین ساز میں ممبر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس سے انھیں وزارت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے وقت نہیں ملے گا۔ یہ فیصلہ بہت مناسب و معقول تھا لیکن ہوا یہ کہ وہاں کے وزیر اعلیٰ ابوحسین سرکار صاحب مجلس دستور ساز کے اراکین کے ساتھ ہی مری تشریف لائے اور جتنے دن مجلس کا اجلاس ہوتا رہا مری ہی میں رہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ یا دیگر وزراء نے اس طرح صوبے سے باہر ہی رہنا تھا تو انھیں مجلس دستور ساز کا ممبر ہی کیوں نہ بنا دیا گیا جو کچھ دستی صاحب نے پنجاب میں کیا ہے۔ وہی کچھ ابوحسین سرکار صاحب بنگال میں کر لیتے۔

کشمکش

اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ سعودی عربیہ کی حکومت نے احکام نافذ کئے ہیں کہ اخبارات اور رسائل میں اشتہارات کے طور پر جو انسانی تصویریں شائع ہوں ان کا سر اڑا دیا جائے۔ یعنی تصویر صرف دھڑ کی ہوگی، سر کے ساتھ نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شریعت کی رو سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز ہے اور جب تصویر سے سر اڑا دیا جائے تو وہ جاندار کی تصویر ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ سر کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ ہندوستان میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی یہی فتویٰ دیا تھا کہ "ہاف ٹون" کی تصویر جائز ہے (ہاف ٹون سے ان کی مراد آدھے جسم کی تصویر تھی) اسکی دلیل بھی یہی تھی کہ جب انسان کا آدھا جسم کاٹ دیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے آدھے جسم کی تصویر جاندار کی تصویر نہیں کہلا سکتی۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس قسم کے احکام یا فتاوے کس ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں؟ اس سے اس کشمکش کا پتہ چلتا ہے جس کی رو سے یہ حضرات چاہتے ہیں کہ تصویر شائع بھی ہو جائے اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی بھی نہ ہو حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز ہے تو آدھے دھڑ کی یا سر کے بغیر باقی دھڑ کی تصویر بھی کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی۔ آپ غور کیجئے کہ انسان خود ہی اپنے لئے زنجیریں تیار کر لیتا ہے اور پھر ان سے نکلنے کے حیلے تراشتا رہتا ہے۔ جہاں تک تصویر کشی کا تعلق ہے قرآن میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے بڑے نادرہ کار صناعوں سے تماثیل تیار کرایا کرتے تھے اور تماثیل کے اندر تصاویر اور مجسمے دونوں آجاتے

نقد ونظر

بلاغ الحق

ہندوستان اور پاکستان میں وہ کونسا مسلمان ہے جسے قرآن کریم سے کچھ ذوق ہو اور وہ شمس العلماء حافظ سید محب الحق مرحوم کی ذات گرامی سے آشنا نہ ہو سید صاحب وہ برگزیدہ ہستی تھے۔ جنھوں نے آج سے قریب ستر اسی برس پہلے ظلمت کدہ ہند میں قرآن کی آواز کو بلند کیا۔ آپکی ساری عمر اسی جہاد میں گذری۔ حتیٰ کہ اپنی عمر کے آخری ایام میں بھی جب ان کے تمام قویٰ قریب قریب جواب دے چکے تھے۔ ان کے ہاں قرآن ہی کے چرچے رہا کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ انھوں نے قرآن کے متعلق شرعۃ الحق، منہاج الحق، دعوۃ الحق اور بلاغ الحق چار مشہور کتابیں لکھی تھیں۔ افسوس ہے کہ یہ کتابیں آج نایاب ہو چکی ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ان میں سے بلاغ الحق کے تھوڑے سے نسخے ان کے فرزند رشید سید محمود صاحب کے پاس موجود ہیں۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن۔ حدیث، اسوہ حسنہ، اطاعت رسول، عقائد، عبادات، معاملات، جیسے اہم عنوانات سے بحث کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس سے ہمارا دور بہت آگے نکل چکا ہے اور اس دور کے تقاضے کچھ مختلف ہو گئے ہیں۔ بایں ہمہ السابقون الاولون کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ انھیں کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے سید صاحب کی جو کتاب بھی مل جائے اسے مغتنمات میں سے سمجھنا چاہیئے۔ ہم قرآن سے ذوق رکھنے والے حضرات کو مشورہ دیں گے کہ وہ بلاغ الحق ضرور منگائیں۔ یہ کتاب بڑے سائز کے ۱۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو صاحب تین روپیہ بذریعہ منی آرڈر ذیل کے پتہ پر بھیج دیں گے۔ انھیں کتاب گھر بیٹھے مل جائے گی۔ پتہ یہ ہے

سید محمود صاحب انجینئر ۲/۴۔ ای لینڈر روڈ کراچی

2/4. ELENDAR ROAD. KARACHI

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۶۳۱۳ کراچی

عالمِ اسلامی

کرنل انور سادات جنہوں نے مصر کی جانب سے افغانستان کے قضیہ میں مصالحت کی کوشش کی تھی، اس سلسلہ میں واضح بیان دیئے ہیں۔ دونوں میں انہوں نے بتایا ہے کہ کس طرح افغانستان نے مساعی مصالحت کو ناکام بنایا۔ مثلاً ایک موقع پر شاہ افغانستان نے ایک تجویز پیش کی جو صریحاً ان کے اپنے مفاد میں تھی اور اس کے متعلق یقین تھا کہ پاکستان اسے تسلیم نہیں کریگا۔ لیکن پاکستان نے ازرہ مصالحت پسندی اسے بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کے بعد خود شاہ افغانستان نے رد کر دیا۔ یہ بتانے کے بعد کہ پاکستان افغانستان کا بدخواہ نہیں بلکہ اسے مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے انہوں نے افسوس سے یہ کہا کہ افغانستان روز اول سے ہی پاکستان کا مخالف چلا آرہا ہے۔ اسی نے اقوام متحدہ میں ۱۹۴۷ء میں اس کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا حالانکہ اسے پاکستان بننے پر خوش ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح افغانستان میں کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کریگا کہ پاکستانی پرچم کی توہین کی گئی اور پاکستانی سفارت خانوں پر حملے کر کے انہیں نقصان پہنچایا گیا لیکن اس کی تلافی کی صورت پیدا نہیں ہو سکی جبکہ افغانی حکومت کی یہ حالت ہے وہاں باشندوں کی یہ صورت ہے کہ کشمیر میں وہ پاکستانیوں کے دوش بدوش لڑ چکے ہیں اور اگر پھر کبھی وقت آپڑا تو وہ پھر اسی طرح باہم مل کر لڑینگے۔ افغانی حکومت کی پالیسی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ کرنل سادات اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ افغانیوں کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا دو مسلمان بھائیوں میں لڑائی ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اسلامی محبت امن اور اخوت کا بھولا ہوا سبق پھر یاد کریں۔ اور تعلقات باہمی کی نئی مثال قائم کریں۔

قطع نظر افغانی قضیہ کے یہ خیالات بڑے قابل قدر ہیں یقیناً ہر مسلمان کے دل میں یہی خیالات موجزن ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف لڑ نہیں سکتا اور انہیں ایک ہو کر رہنا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی عملی تعبیر کیا صورت ہے؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان ممالک متحد ہو جائیں اور ایسا مرکزی ادارہ قائم کریں جو ان کے مشترک امور کو نپٹائے۔ آپس میں بھی اور دوسروں کے مقابلے میں بھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس منزل اتحاد و وحدت کی جانب کچھ قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ ان میں قابل ذکر اور قابل تحسین کراچی بغداد اور انقرہ کے معاہدے ہیں جو عنقریب ایک مشترکہ معاہدہ کی شکل اختیار کرنیوالے ہیں اس معاہدے سے وہ بنیاد میسر آجاتی ہے جس پر وحدت عالم اسلامی کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تینوں ممالک اس کے پورے خلوص کے ساتھ اس کے لئے کوشاں ہیں کہ دوسرے ممالک اسلامیہ بھی شریک ہو جائیں۔ حیرت ہے کہ ان مساعی کی زیادہ تر مخالفت مصر کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ مخالفت کرنل سادات کے تذکرہ اور خیالات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ مصر یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ ترکی عراق اور پاکستان ممالک اسلامیہ میں رخنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں یا وہ اپنے آپ کو یا دیگر ممالک مسلمہ کو دوسروں کے ہاتھ بیچ دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ واقعی یوں نہیں سمجھتا تو ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی مسلمان سے متعلق خواہ مخواہ کیوں شکوک پیدا کئے جائیں؟ یہ شکوک آگے چل کر مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کے ذمہ دار بن سکتے ہیں۔

لہٰذا کیا یہ مناسب نہیں کہ بجائے مخالفت کرنے کے مسلمان ممالک آپس میں مل بیٹھیں اور باہمی تبادلۂ خیال سے مشترکہ لائحہ عمل بنا لیں؟ اگر مصر یا کسی اور ملک کو مساعی اتحاد سے متعلق کچھ غلط فہمی ہے تو وہ ان مذاکرات میں رفع کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ترکی عراق اور پاکستان جس قسم کا علاقائی معاہدہ کر رہے ہیں اس پر مصر کو کوئی اصولی اعتراض نہیں۔ ابھی دنوں ۱۵ جولائی کو مصر کے وزیر خارجہ ڈاکٹر محمود فوزی نے نیویارک میں صاف طور پر کہا ہے کہ انہیں علاقائی معاہدوں پر اعتراض نہیں البتہ وہ کسی کے حلقہ بگوش نہیں بننا چاہتے۔ اگر بات صرف اتنی ہے تو اور زیادہ ضرورت اس امر کی ہو جاتی ہے کہ مسلمان ممالک اکٹھے ہو جائیں تاکہ کوئی بڑی سے بڑی قوم بھی ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔ اگر مصر ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اسے ان تین ممالک سے تعاون کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا جو عالم اسلامی کو متحد کرنا چاہتے ہیں اور اگر وہ مخالفت ترک کر دے تو دوسرے اسلامی ممالک بھی رشتہ وحدت میں منسلک ہو جائیں گے۔

انڈونیشیا میں چیف آف اسٹاف کی تقرری کی وجہ سے جو وزارتی بحران پیدا ہو گیا ہے اس کے رفع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ تقرر وزیر دفاع ایس ایو اسمنتری کی وجہ سے بتایا جاتا تھا۔ وہ اشتراکی خیالات رکھتے ہیں اور ان کی تقرری کو اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے آدمی آگے بڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے استعفا دے دیا ہے۔ اس سے یوں یہ گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ حکومت اس تقرر کو منسوخ کر دے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ حکومت چاہتی ہے کہ فوج اس تقرر کو قبول کرے، خواہ اس کی شکل یہی کیوں نہ ہو کہ وہ چارج لیکر فوراً استعفا دیدیں۔ فوج اس کے لئے تیار نہیں۔ کابینہ میں کم از کم دو پارٹیاں ایسی ہیں جو اس تقرر کے خلاف ہیں۔ انکی مخالفت کی یہ حالت ہے کہ وہ وزارت سے نکلنے پر تیار نظر آتی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر وزیر اعظم ساسترامی جوجو نے صدر سوئیکارنو سے کہدیا ہے کہ چونکہ انہیں اکثریت حاصل نہیں رہی اس لئے وہ مستعفی ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا استعفا منظور نہیں کیا گیا۔ اسی بحران کا نتیجہ ہے کہ صدر سوئیکارنو نے حج سے پیشتر پاکستان اور دیگر ممالک کے دوروں کا جو پروگرام بنایا تھا وہ ترک کر لیا ہے۔ انہیں اس سلسلہ میں ۱۷ جولائی کو پاکستان بھی آنا تھا۔ پاکستان کی طرح انڈونیشیا میں بھی سطحی مذہبیت [illegible] پیدا کئے چلی جا رہی ہے۔ مسلمان بیچارا کن بلاؤں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے؟

بین الاقوامی جائزہ

عالمی توجہات کا مرکز ان دنوں جنیوا ہے جہاں چار بڑوں کی کانفرنس شروع ہے۔ جانبین سے جس قسم کے خیالات و جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر اسی اشاعت میں ادارتی صفحات میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ جنیوا پہنچنے سے پیشتر امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ نے پیرس میں مل کر ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کیا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روس کو پیش کرنے کے لئے تجاویز تیار کیں۔ ان تجاویز کو ظاہر تو نہیں کیا گیا لیکن قیاس یہ ہے کہ جرمنی کی وحدت کو اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ اقوام مغرب اس پر تیار نظر آتی ہیں کہ روس آزاد انتخابات کے ذریعہ وحدت جرمنی پر رضامند ہو جائے تو اس سے کہا جائے کہ جرمنی کی فوج ۱۲ ڈویژن سے زیادہ نہیں ہوگی (یہ وہ تعداد ہے جو مغربی جرمنی ناٹو کی تحویل میں دیگا) نیز متحدہ جرمنی کو اختیار ہوگا کہ وہ مغرب کا ساتھ دے یا روس کا۔ روس کی اس سلسلہ میں تجویز یہ ہے کہ پورے یورپ کا ایک مشترکہ دفاعی معاہدہ کیا جائے۔ لیکن اقوام مغرب کو یہ منظور نہیں۔ کیونکہ اس طرح انہیں ناٹو جیسی تنظیم کو ختم کرنا پڑیگا اور اس کے لئے وہ تیار نہیں۔ جرمنی کی وحدت کا مسئلہ آسان نہیں۔ روس اس پر غالباً ایک ہی شرط پر راضی ہو سکیگا اور وہ یہ کہ جرمنی غیر جانبدار رہے۔ یہ شرط اقوام مغرب کو منظور نہیں ہو سکتی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ وزیر اعظم برطانیہ نے کوئی بین بین شکل نکالی ہے جس سے وحدت کے بعد جرمنی کے مشرقی حصے کو غیر جانبدار رکھا جا سکے۔

اسی طرح تحدید اسلحہ کا سوال ہے جس پر برسوں سے کوئی اتفاق نہیں ہو سکا۔ اقوام مغرب کا خیال ہے کہ اگر جرمنی کی وحدت کا فیصلہ ہو جائے تو تحدید اسلحہ کی ابتدا مغربی اور مشرقی یورپ سے کی جائے۔ پھر اس کے مطابق اس کا دائرہ وسیع کر دیا جائے۔ مشرق و مغرب کے مابین تجارت کا مسئلہ بھی کافی اہمیت اختیار کر گیا ہے گو یہ تجارت اب بھی ہوتی ہے لیکن مطلوبہ مقدار میں نہیں۔ اقوام مغرب نے بڑی حد تک اس تجارت سے ہاتھ روک رکھا ہے۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ روس بڑی اہم تجارتی تجاویز پیش کریگا۔ مشرق بعید کا اہم ترین مسئلہ چین کا ہے۔ اسے تسلیم کرنے کا سوال ضرور اٹھایا جائیگا اور روس اس پر اصرار کریگا۔ امریکہ ابھی تک چین کی اشتراکی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے تصفیہ کی توقع عبث ہے۔ چین کے ساتھ ویٹ نام کا معاملہ بھی خاصی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ جب سے گذشتہ جنیوا کانفرنس کی بدولت ویٹ نام دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے جنوبی غیر اشتراکی حصے میں بدامنی ہی رہی ہے۔

جو مسائل جنیوا کی چار بڑوں کی کانفرنس میں پیش ہونگے، خاصے کٹھن ہیں۔ ان سے متعلق یہ توقع تو نہیں کی جا سکتی کہ کچھ فیصلے ہو جائیں گے لیکن اگر عمومی فضا خیر سگالی کی رہی تو ان کی تفاصیل طے کرنے کے لئے راستہ ضرور صاف ہو جائیگا۔

(صہ سے آگے)

ایک شرمناک آواز

ہفتہ وار صدق (لکھنو) کی یکم جولائی کی اشاعت میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے۔

"روزنامہ ...... لاہور میں "سالی سے شادی قانونی نقطۂ نگاہ سے" کے عنوان سے ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں ان لوگوں کو جو بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی سے شادی کرنا چاہیں نصیحت کی گئی ہے کہ مولویوں سے اس بارہ میں فتویٰ پوچھنے کے بجائے قانون داں حضرات سے فتویٰ لینا چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ قرآن نے جمع بین الاختین کو حرام قرار دیا ہے تاہم بعض ہائی کورٹوں نے عدالتوں میں مروجہ شرع محمدی کے مطابق شادی کی تین قسمیں صحیح، باطل، اور فاسد قرار دی ہیں اور سالی سے شادی کو قسم باطل میں نہیں بلکہ فاسد میں شمار کیا ہے اور اس میں اور صحیح شادی میں صرف باضابطہ اور بے ضابطہ کا فرق رکھا ہے یعنی بیوی کی موجودگی میں اسکی بہن سے شادی بے ضابطہ تو ہے لیکن باطل نہیں اور ایسی شادی کرنیوالی عورت خاوند کی جائداد کی وارث نہیں ہوسکتی اور جب چاہے عدالت میں گئے بغیر طلاق حاصل کرسکتی ہے۔

اور یہ مضمون لکھنے والے لاہور کے ایک مسلمان بی۔ اے ال ال، بی ایڈوکیٹ ہیں"۔

(مدیر صدق کی ہمنوائی میں ہم بھی کہتے ہیں کہ) ہمیں معلوم نہیں کہ کونسے ہائی کورٹوں نے اس قسم کا فیصلہ دیا ہے اور مروجہ شرع محمدی میں کس نے بیوی کی موجودگی میں اپنی سالی سے شادی کرنے کو باطل نہیں بلکہ فاسد یعنی بے ضابطہ نکاح قرار دیا ہے جہانتک ہمیں معلوم ہے اپنی سالی سے شادی کرنا تمام فقہاء کے نزدیک نکاح باطل ہے۔ اور کسی فقیہ نے اسے فاسد کی قسم میں شمار نہیں کیا۔ باطل اور فاسد ہمارے فقہ کی ایک عام اصطلاح ہے۔ باطل نکاح اور فاسد نکاح میں اس حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں نکاح حرام ہوتے ہیں اور ایسے نکاحوں میں فوراً تفریق کردینی واجب ہے۔ نکاح فاسد اور نکاح باطل میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ نکاح باطل کے بعد نہ عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اور نہ شوہر پر مہر۔ نیز ایسے نکاح کے بعد جو اولاد پیدا ہوتی ہے ان کا نسب بھی اپنے باپ سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ اولاد ولدالزنا شمار ہوتی ہے۔ لیکن نکاح فاسد کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی، شوہر پر مہر واجب ہوگا اور اس نکاح سے جو اولاد ہوگی اس کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہوسکیگا۔ نکاح فاسد کی مثال میں فقہائے نے اس قسم کی صورتیں پیش کی ہیں کہ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کرلیا یا کسی مقررہ مدت تک کے لئے نکاح کرلیا۔ ان صورتوں میں بھی فوراً تفریق کردینا ضروری ہوگا۔ البتہ جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے۔ عورت پر عدت واجب ہوگی اور مرد پر مہر اور اس قسم کے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب شمار کی جائیگی ہمیں سب سے زیادہ افسوس اس ذہنیت پر ہے کہ صاحب مضمون کو اس کا اعتراف ہے کہ قرآن کریم نے جمع بین الاختین کو حرام قرار دیا ہے اور یہ جانتے بوجھتے کہ قرآن کی رو سے یہ حرام ہے لوگوں کو مشورہ دینا کہ مولویوں سے فتویٰ لینے کے بجائے قانون داں حضرات سے اس کے متعلق فتویٰ لیا جائے کیونکہ بعض عدالتوں نے غلطی سے اسے نکاح فاسد میں شمار کرلیا ہے تحاکم الی الطاغوت کی وہ شرمناک مثال ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں کسی ایسی چیز کے متعلق پسندیدگی کا جذبہ موجود ہے جسے قرآن نے حرام کردیا ہے تو ایسا شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص یہ جانتے بوجھتے کہ ایک چیز قرآن نے بصراحت حرام قرار دی ہے اس کے جواز کے لئے دوسری ٹیڑھی راہیں اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن نے کفر اور اسلام کا بنیادی فرق یہ بتایا ہے کہ کفار خدا کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے۔

ہم واضح الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر قرآن کے کسی حکم کے خلاف کسی بڑے سے بڑے مذہبی امام کا فتویٰ بھی ہو تو وہ اس قابل ہے کہ اسے رد کردیا جائے چہ جائے کہ بعض انگریزی ہائیکورٹوں کا فیصلہ۔ مگر صورت مذکورہ میں تو امت میں سے کسی امام نے بھی ایسے نکاح کے جواز کی کوئی صورت بھی ہم نہیں پہنچائی۔ ایسی صورت میں ہائی کورٹ کے کسی فیصلہ کی آڑ لینا وہ شرمناک جسارت ہے جس کا کسی مسلمان کی طرف سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

صدق نے اس اخبار کا نام نہیں لکھا جس میں یہ مضمون شائع ہوا ہے نہ ہی صاحب مضمون کا نام دیا ہے۔ اگر یہ سطور ان صاحب کے نظروں سے گذریں تو ہم ان سے درخواست کریں گے کہ اگر وہ اس باب میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو ہم اسے رفع کرنے کے لئے حاضر ہیں۔

پنڈت نہرو کی وضاحت

سات سال کے طویل و تلخ تجربے کے علی الرغم اگر کسی پاکستانی کو پنڈت نہرو سے متعلق یہ حسن ظن تھا کہ وہ کشمیر کے بارے میں معقول و مفاہمت پسندانہ بات کریں گے تو پنڈت جی کے تازہ بیان سے انکی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ ہم نے صاف صاف لکھا تھا۔ اور یہ کچھ ہم نے کسی باطنی علم کی بنا پر نہیں پنڈت نہرو کے قول و فعل کی روشنی میں لکھا تھا۔ کہ پنڈت پنت نے استصواب سے متعلق معاہدے کو ٹھکرایا ہے تو وہ اتفاقی بات نہیں بلکہ وہ ہندوستانی ذہنیت اور طریق کار کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا پنڈت نہرو سے اس کی وضاحت طلب کرنا آزمائے ہوئے کو آزمانے کے مترادف ہے۔ لیکن ہمارے بعض وزراء کی سادہ لوحی کا یہ عالم ہے کہ انھیں یہ یقین نہیں آتا تھا کہ ہندوستان سے ایسی آواز بلند ہوسکتی ہے۔ اور ہمارے ضرورت سے زیادہ خوش فہم وزیر اعظم نے پنڈت نہرو سے رجوع کرنا ہی مناسب خیال کیا۔ پنڈت جی نے سرکاری چھٹی کا جواب پبلک جلسہ میں دیا اور بعینہٖ وہی کچھ کہا جو ان کے ساتھی پنڈت پنت کہہ چکے تھے۔ لیکن اس میں انھوں نے ابلہ فریبی کی گنجائش ضرور رکھی کیونکہ انھوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ استصواب کے معاہدہ پر بدستور قائم ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے وزیر اعظم اس فریب میں آئیں گے یا نہیں، لیکن ہم ان کو صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر انھوں نے پنڈت نہرو کے بیان کا یہ مفہوم لیا کہ وہ استصواب کے لئے تیار ہیں تو وہ سارے پاکستان میں اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ ہم ان سے ایک بار پھر التماس کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے اس فریب میں نہ آئیں اور براہ راست مذاکرات کا ڈھونگ ختم کرکے مسئلہ کشمیر کو پھر سے اقوام متحدہ میں لے جائیں۔ کیونکہ پرامن حل کی یہی واحد صورت

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ھیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ھے۔ ظاھر ھے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ھے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماھانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ھوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ھمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ھوئے تو اب شامل ھوجائیے۔

* پہلے ماھانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ھے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاھیں وہ دے سکتے ھیں۔

★ ★ ★

سلیم کے نام

اگر ملت کے نوجوان قرآن سے دور ھو رھے ھیں تو اس کی وجہ یہ ھے کہ ان کے سامنے قرآن پیش ھی نہیں کیا گیا۔

یہ کوشش پرویز صاحب نے کی ھے اور نوجوانوں کے نمائندے "سلیم" کے شکوک و شبہات کو بڑی کاوش کے ساتھ دور کیا ھے۔

صفحات ۴۰۸ قیمت چھ روپے

فردوس گم گشتہ

مسلمانوں کے ہاتھ سے کونسی جنت چھنی اور وہ آج کس جہنم میں مبتلا ھیں؟

اس کھوئی ھوئی جنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کیا شکل ھوسکتی ھے؟

پرویز صاحب کے دلکش مضامین اور تقاریر کا مجموعہ جو ان سوالوں کا اچھوتا جواب ھیں خالص ادبی نقطہ نگاہ سے بلندپایہ کتاب۔

صفحات ۴۱۶ قیمت چھ روپے

یہ ٹھیک ہے

کہ آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں وہی آئین نافذ ہو جو

قرآن کے اصولوں کے مطابق

ہو۔

لیکن آئین کی تسوید سے وہ معاشرہ متشکل ہو کر سامنے نہیں آجائیگا

جس کا تصور

قرآن دیتا ہے۔

قرآنی معاشرہ کیا ہے؟ وہ معاش کا جو
انسان کے لئے لانیحل مسئلہ بن گیا ہے کیا حل دیتا ہے؟
وہ دنیا کے مروجہ نظاموں کے مقابلے میں کیوں قابل ترجیح ہے؟
وہ ہماری مشکلات کو کس طرح حل کردیگا؟

یہ کچھ جاننے کے لئے دیکھئے

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

جو قرآن کے نظم معاشرت کو منضبط کرنے کی پہلی کوشش ہے۔

قسم اول : کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے

قسم دوم : کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM